ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
جولائی ۱۹۸۵ء

عید کا تحفہ

اس شمارے کے ساتھ ایک مفید کتاب بھی بلا قیمت حاصل کریں

ہوگا دنیا میں تو بے مثال   میرے بچے میرے نونہال

فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل وصورت، عادات واطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جاسکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے۔ اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔

دوراندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام وسکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، قے ودست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔

Naunehal
Herbal Gripe Water

Hamdard

نونہال
ہربل گرائپ واٹر
بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے

ٹیلی فون ۶۱۶۰۰۱ تا ۶۱۶۰۰۵ (۵ لائنیں)

ہمدرد نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

مجلس ادارت

صدر مجلس — حکیم محمد سعید

مُدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی

مُدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

شوال — ۱۴۰۵ ہجری

جولائی — ۱۹۸۵ عیسوی

جلد — ۳۳

شمارہ — ۷

قیمت فی شمارہ ۴/- روپے

سالانہ ۴۵/- روپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۸۱/- روپے

پتا:
ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد
کراچی ۱۸

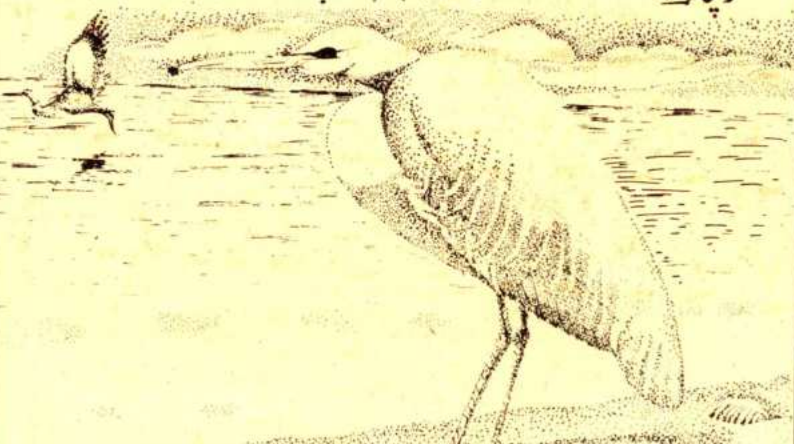

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے؟

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۴
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۵
عید (نظم)	جناب غنی دہلوی	۷
ایک بہادر ہواباز کی کہانی		۹
پُراسرار جھیل		۱۷
کارٹون	جناب مشتاق	۲۵
پروفیسر راز	جناب مناظر صدیقی	۲۶
راز (نظم)	جناب انور شعور	۳۵
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۳۶
تحفے	باذوق نونہال	۳۹
سدا بہار قہقہے		۴۳
سحر کا ترانہ (نظم)	جناب عابد رضا ارتقائی	۴۴
بڑا تحفہ		۴۵
اخبار نونہال	ننھے صحافی	۵۰
ہمدرد انسائکلوپیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۵۳
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۵۹
آخر وہ مالک بن گیا		۶۱
معلومات عامہ ۲۳۱	ادارہ	۷۳
صحت مند نونہال	ادارہ	۷۴
دل چسپ تصویریں بنایئے		۷۶
نونہال مصوّر	ننھے آرٹسٹ	۷۹
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۱
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۹۹
بزم نونہال	نونہال پڑھنے والے	۱۰۱
معلومات عامہ ۲۲۹ کے جوابات	ادارہ	۱۰۷

قرآن حکیم کی مقدّس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمّے دار نہ ہو گا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

آج انسان کو نمائش کا بڑا چسکا لگ گیا ہے۔ ہر چیز میں نمائش نے ہماری زندگی مصیبت کر رکھی ہے۔ کپڑے ہوں تو بھڑکیلے، گھر ہو تو بڑا، فرنیچر ہو تو چمکیلا، غرض ہمارا جتنا بس چلتا ہے ہم اتنی ہی نمائش کرتے ہیں، لیکن ذرا سا غور کرو تو سادگی میں جو مزہ ہے وہ کسی چیز میں نہیں۔ سادہ چیز کتنی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ سادگی ہی میں سلیقے کا اظہار ہوتا ہے۔ معمولی چیز سلیقے سے خوب صورت معلوم ہونے لگتی ہے۔ سادگی میں خرچ بھی کم ہوتا ہے۔ کم خرچ کی وجہ سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ خرچ کم ہو تو آدمی کو زیادہ پیسے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ زیادہ پیسے کے لیے آدمی کو بہت سے غلط کام بھی کرنے پڑتے ہیں۔ غلط کام کر کے آدمی خوش نہیں رہ سکتا۔ اس طرح جو پیسہ آتا ہے وہ سکون اور خوشی نہیں دیتا، بلکہ پریشانی اور بڑھاتا ہے۔ پریشانی کے علاوہ شرمندگی بھی ہوتی ہے۔ نمائش اور فضول خرچی سے انسان اپنا ذہنی سکون کھو دیتا ہے۔

جب سے ہم نے سادگی چھوڑی ہے ہماری زندگی مشکلات سے گھر گئی ہے۔ ہم اخلاقی لحاظ سے کم زور ہو گئے ہیں۔ نمائش کا مطلب کیا ہے؟ نمائش کا مطلب ہے دو رنگی، یعنی اصل میں کچھ ہو اور دکھایا کچھ اور جائے۔ گویا حقیقت کو چھپانے اور لوگوں کو غلط فہمی میں مبتلا کرنے کا نام نمائش ہے۔ اس کے برعکس سادگی تو سادگی ہی ہے۔ جو اصل ہے وہی نظر آتا ہے، جو حقیقت ہے وہی دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت میں بڑی کشش ہے۔ سادگی میں بڑا حُسن ہے۔

سادگی کو اپناؤ، اپنا حُسن بڑھاؤ۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

تمام نونہالوں کو اور نونہالوں کے بزرگوں کو عید اور اس کی خوشیاں مبارک۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پاکستان کو اور تمام پاکستانیوں کو ترقی اور عزت سے نوازے اور آپس میں محبت اور اتحاد پیدا کرے تاکہ وہ ایک دل اور ایک جان ہو کر ایک دوسرے کی بھلائی میں مدد کریں۔

ایک بچی غزالہ منیر شیخ نے لاڑکانہ سے خط لکھا ہے کہ ہمدرد نونہال ماشاءاللہ تیزی سے کامیابی اور مقبولیت کی طرف بڑھ رہا ہے، پھر اس کا اشتہار ٹی وی اور اخبارات میں کیوں شائع کیا جاتا ہے۔ ایسا طریقہ تو گھٹیا رسالے والے اپناتے ہیں۔ ہم غزالہ کے خلوص اور مشورے سے بہت متاثر ہوئے۔ شاید کچھ اور نونہالوں کے دل میں بھی یہ خیال ہو، اس لیے ہم بتاتے ہیں کہ اشتہار دینا گھٹیا ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اشتہار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے اب تک رسالہ نہیں دیکھا ہے یا اُن کو خبر نہیں ہے وہ بھی باخبر ہو جائیں۔ خاص طور پر ہمارا مقصد تو یہی ہے کہ ہمارے پاکستان کے جن نونہالوں کو اب تک ہمدرد نونہال پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہے اُن تک بھی اس کی روشنی پہنچ جائے اور وہ بھی اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنا علم بڑھائیں۔ خود نونہال بھی اپنے دوستوں سے رسالے کا تعارف کرائیں۔ ہمارا ارادہ اور کوشش یہ ہے کہ اس سال کے اندر اندر ہمدرد نونہال ایک لاکھ چھپنے لگے اور کم سے کم دس لاکھ نونہال اس کو پڑھنے لگیں، کیوں کہ ایک رسالہ کئی کئی نونہال پڑھتے ہیں۔ یہ سب نونہال بڑے ہو کر سپاہِ اخلاق میں شامل ہوں گے اور اچھے اخلاق پھیلائیں گے۔

اچھا بھئی بہت سے نونہالوں نے تو معمارانِ ملت کے تصویری کارڈ پسند کیے، لیکن بہت سے نونہالوں نے کارڈوں کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ ان کارڈوں کو تو آپ نے محفوظ رکھا ہوگا۔ کیا یہ سلسلہ جاری رکھا جائے۔ اپنی رائے لکھیے۔

اچھا ایک خوش خبری بھی سُنیے۔ اس شمارے کے ساتھ آپ کو چھوٹی سی مگر اچھی سی کتاب بھی ملے گی۔ خوش ہوئے؟ اچھا اگر خوش ہوئے تو آیندہ شماروں کے ساتھ بھی ہم آپ کو ایک ایک کتاب پیش کریں گے۔ اب ہم اگست کے شمارے کے علاوہ خاص نمبر کی تیاری کر رہے ہیں۔

خیال کے پھول

● **حضور اکرمؐ**

جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے گھر سے نکلے وہ جب تک گھر واپس نہ آجائے اللہ کی راہ میں ہے۔

مرسلہ: شہلا آصف، لطیف آباد

● **حضرت علیؓ**

کسی سوال کا جواب معلوم نہ ہو تو لاعلمی کا اظہار کر دو۔ مرسلہ: نسرین طیّب، کراچی

● **حضرت ابوذر غفاری**

اپنے سے کم تر کو مدِ نظر رکھو اور اپنے سے بلند تر کو نظر انداز کر دو۔

تمام عبادتوں سے بہتر مظلوموں اور عاجزوں کی فریاد کو پہنچنا ہے۔ مرسلہ: ناظمہ ادم، کراچی

● **حضرت داتا گنج بخشؒ**

جب انسان نیک ہو جاتا ہے تو اس کا ہر کام نیک ہو جاتا ہے۔

● **سلطان محمد غوری**

محبّت اور عداوت کبھی پوشیدہ نہیں رہتی۔

مرسلہ: سعید احمد، جام شورو کالونی

● **حضرت خواجہ نظام الدینؒ**

کسی نے تمھارے راستے میں کانٹے بچھا دیے، جواب میں تم نے بھی کانٹے بچھا دیے تو دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔ مرسلہ: عبدالباری، اورنگی ٹاؤن

● **سر سید احمد خاں**

علم کی دولت کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ مرسلہ: طارق محمود حامی، نادر لپید

● **بو علی سینا**

حقیقی خوب صورتی کا چشمہ دل ہے۔ اگر یہ سیاہ ہو تو چمکتی آنکھیں کام نہیں دیتیں۔

● **بائرن**

خون کی ندیاں بہانے کے بجائے ایک آنسو پونچھنے کی شہرت زیادہ ہو گی۔ مرسلہ: مسرت ممتاز، کراچی

● **کسریٰ**

جس ملک میں رعیّت بادشاہ کے مظالم سے تنگ ہو اُس سر زمین میں آسودگی نہیں ہوتی۔

● **جیفرسن**

ظالم کی پارسائی سے بھی اس کے ظلم کا اظہار ہوتا ہے۔

مرسلہ: سہیل احمد، دولت نگر

● **جان ونتھروپ**

سب سے بہتر دولت جو آیندہ نسلوں کے لیے چھوڑی جا سکتی ہے وہ اچھا چال چلن ہے۔ مرسلہ: محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

UNION
BISCUITS &
WAFERS
Union Marie
UNION
Glucose
BISCUITS
UNION
HONEY
BISCUITS
ORANGE CREAM
UNION
MILKY
BISCUITS
UNION
LEMON
SANDWICH
WAFERS
Midas Khi

عید

غنیؔ دہلوی

اُچھلیں کودیں جشن منائیں
شور مچا ہے شور مچائیں
گلے لگیں اور گلے لگائیں
آؤ مل کر عید منائیں
آپس میں سب ملیں ملائیں

عید کے نغمے گاتے جائیں
خوشیوں کے ہم دیپ جلائیں
آؤ خوشی کے پھول لٹائیں
آؤ مل کر عید منائیں
آپس میں سب ملیں ملائیں

گھر کے در و دیوار سجائیں
نیچے اوپر آئیں جائیں
میٹھی میٹھی چیزیں کھائیں
آؤ مل کر عید منائیں
آپس میں سب ملیں ملائیں

خوشیوں کے انبار لگائیں
سب کی جانب ہاتھ بڑھائیں
خوب ہنسیں اور خوب ہنسائیں
آؤ مل کر عید منائیں
آپس میں سب ملیں ملائیں

تمام طلباء و طالبات کی دلپسند

نوٹ بکس

پی پی پی برانڈ

ملک بھر کے یوٹیلیٹی اور کینٹین اسٹورز اور اسٹیشنری کی
دوکانوں میں مقررہ داموں پر دستیاب ہیں۔

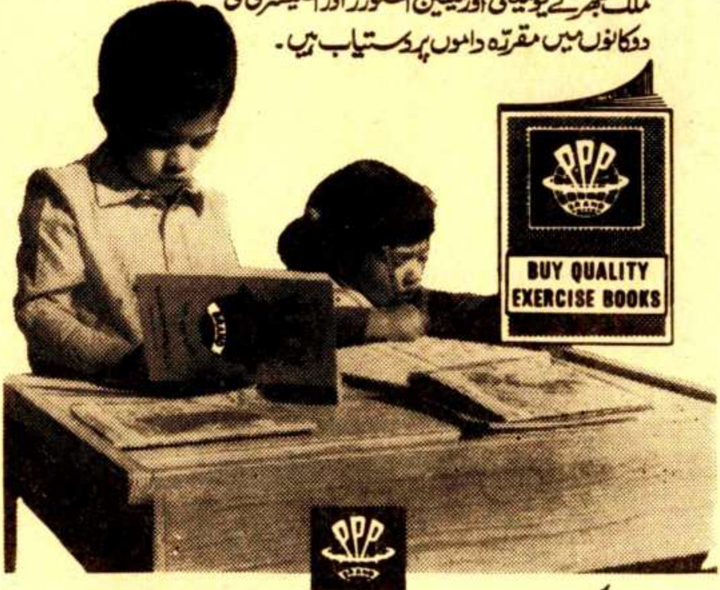

پاکستان پیپر پروڈکٹس لمیٹڈ
پوسٹ بکس نمبر ۷۴۳۸ ۔ کراچی ۳

786/PPP-16/84

ایک بہادر ہوا باز کی کہانی

ہربرٹ جان لوئی ہنکلر

ہربرٹ جان لوئی ہنکلر ایک بہادر ہوا باز تھا۔ آج کل تو تیز رفتار جٹ ہوائی جہاز ایجاد ہو چکے ہیں، بلکہ اب تو انسان خلا کا سفر بھی کرنے لگا ہے۔ ہوائی جہازوں میں بے شمار آلات ہوتے ہیں جن سے کام لے کر ہوا باز نازک سے نازک وقت میں بھی اپنے جہاز کو بچا سکتا ہے۔ ہزاروں میل کا فاصلہ چند گھنٹوں میں طے کر لیا جاتا ہے، لیکن ہنکلر کے زمانے میں ہوائی جہازوں کی صنعت نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ اس وقت ہوائی جہاز اتنے بڑے بھی نہیں ہوتے تھے۔ چھوٹے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر لندن سے اوسٹریلیا تک سفر کرنے کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ہنکلر نے نہ صرف لندن سے اوسٹریلیا تک سفر کیا بلکہ ایک چھوٹے سے جہاز میں بیٹھ کر نیویارک سے جمائیکا اور جنوبی افریقہ ہوتے ہوئے لندن تک دس ہزار میل کا سفر بھی کیا۔

ہنکلر کا قد تو پانچ فیٹ سے کچھ ہی زیادہ تھا، لیکن وہ خاصا تن درست تھا۔ بہت زیادہ باتیں نہیں کرتا تھا، لیکن اس میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ بالکل ٹھیک وقت پر صحیح فیصلے کرتا تھا۔ اسی خوبی کی وجہ سے اُس نے کئی مرتبہ بڑے نازک وقت میں اپنی جان بھی بچائی اور اپنے جہاز کو بھی بچالیا۔

ہنکلر ۸، دسمبر ۱۸۹۲ء کو بنڈا برگ میں پیدا ہوا۔ یہ شہر برِاعظم اوسٹریلیا کے مغربی ساحل پر کوئنز لینڈ کے علاقے میں واقع ہے۔ ۱۹۱۱ء میں ہنکلر گلائیڈر اُڑانے لگا تھا۔ گلائیڈر ایسے ہوائی جہاز کو کہتے ہیں جس میں کوئی مشین نہیں ہوتی۔ اسے کسی دوسرے جہاز سے باندھ کر ہوا میں چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر یہ ہوا میں تیرتا ہوا آہستہ آہستہ زمین پر اُترتا ہے۔ پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں جو ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی، ہنکلر نے اٹلی میں برطانیہ کی فوجوں کے ساتھ لڑائی میں بھی حصّہ لیا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں ہنکلر نے فیصلہ کیا کہ انگلستان سے اوسٹریلیا تک ایک چھوٹے ہوائی جہاز میں تنہا سفر کرے۔ اس سے پہلے ۱۹۱۹ء میں الکاک اور اسمتھ نامی دو پائلٹوں نے ہوائی جہاز میں بحرِ اوقیانوس پار کیا تھا۔ یہ اُس زمانے میں ہوائی جہاز کے ذریعہ سے بہت لمبا سفر سمجھا جاتا تھا۔ الکاک اور اسمتھ کے علاوہ راس اور کیتھ انگلستان سے اوسٹریلیا آچکے تھے، لیکن ان چاروں پائلٹوں نے بڑے جہازوں کے ذریعہ سے یہ فاصلہ طے کیا تھا۔ ہنکلر کا فیصلہ تھا کہ وہ ایک چھوٹے سے جہاز میں تنہا سفر کرے گا۔ جس جہاز کے ذریعہ سے وہ سفر کرنا چاہتا تھا اُسے بے بی ایورو (BABY AVRO) کہتے تھے۔

بے بی ایورو جہاز جس کے ذریعہ سے ہنکلر نے ۱۹۲۰ء میں اوسٹریلیا تک سفر کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس جہاز کا انجن دس سال پرانا تھا۔ اتنے پرانے جہاز کو اتنے لمبے سفر کے لیے یوں بھی کارآمد نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ ہنکلر پاگل ہوگیا ہے۔ جب ہی تو اُس نے اتنے چھوٹے اور پرانے جہاز کے ذریعہ سے اتنا لمبا سفر کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اسی

وجہ سے کوئی سرکاری افسر اُس کی مدد کرنے کو تیار نہیں تھا۔ پھر بھی ہنکلر نے اپنا منصوبہ نہیں بدلا۔

۳۱ مئی ۱۹۲۰ء کو ہنکلر لندن کے قریب واقع کوریڈون سے صبح ساڑھے نو بجے روانہ ہوا۔ سات سو میل کا فاصلہ کہیں رُکے بغیر طے کر کے وہ ٹورِن پہنچا۔ یہ شہر شمالی اٹلی میں واقع ہے۔ کسی چھوٹے ہوائی جہاز کے ذریعے سے اتنا بڑا فاصلہ اس سے پہلے کبھی طے نہیں کیا گیا تھا۔ اب ہنکلر کی ہمت اور بڑھ گئی۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنا سفر جاری رکھے، لیکن اُسے عراق کے ریگستان پر سے گزرنے کی اجازت نہیں ملی۔ یہ ریگستان اوسٹریلیا جاتے ہوئے ہنکلر کے راستے میں پڑتا تھا۔ مجبوراً اُسے لندن لوٹنا پڑا، لیکن اس واپسی کے باوجود ہنکلر نے اپنے چھوٹے جہاز میں جتنا لمبا سفر کیا تھا، اتنا لمبا سفر پہلے کبھی نہیں کیا گیا تھا۔ اسی سال ہنکلر نے اپنے بے بی ایورو، ہوائی جہاز میں اوسٹریلیا کے شہر سڈنی سے بنڈابرگ تک سفر کیا۔ دونوں شہر ایک دوسرے سے تقریباً آٹھ سو میل دُور ہیں۔ اس طرح جب ہنکلر نے اپنے چھوٹے سے جہاز میں ڈھائی ہزار میل کا سفر کر لیا تو لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ ہنکلر واقعی ایک اچھا پائلٹ ہے اور آگے چل کر اسے اپنے کارناموں کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہو گی۔

۱۹۲۰ء کے بعد سات سال تک وہ "ایورو" نامی ایک کمپنی میں ملازمت کرتا رہا۔ یہ کمپنی ہلکے یا چھوٹے ہوائی جہازوں کے مقابلوں کا بندوبست کراتی تھی ۱۹۲۴ء میں اس نے "ایورو ایوس" نامی ایک بائی پلین پر فضائی کرتب دکھائے۔

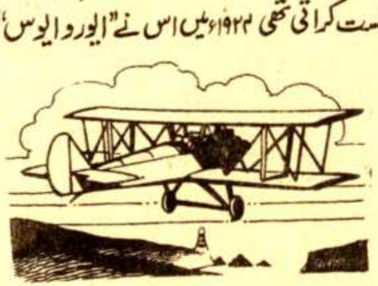

۱۹۲۴ء میں اس نے ایورو ایوس نامی اس جہاز میں فضائی کرتب دکھائے

بائی پلین اُس جہاز کو کہتے ہیں جس میں ایک کے بجائے، تلے اوپر دو پَر ہوتے ہیں۔ اس جہاز کے پَر ۳۰ فیٹ لمبے تھے اور اس میں دو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اس جہاز پر پورا وزن لاد دیا جاتا تو اس کا وزن ۹۵۰ پونڈ ہو جاتا تھا، یعنی تقریباً تین من ۳۵ سیر۔

ایورو ایوس کے بعد ہنکلر نے "ایورو ایوین" نامی جہاز کی آزمائش کی۔ اس جہاز پر پورا وزن لاد دینے کے بعد اس کا کل وزن ۱۴۸۵ پونڈ ہو جاتا تھا۔ یہ بھی دو پَروں والا جہاز تھا اور مکمل طور پر دھات کا بنا ہوا تھا۔ اسی جہاز کے ذریعے سے پھر ہنکلر نے لندن سے اوسٹریلیا

کا سفر کیا۔ ۱۹۲۷ء میں اسی جہاز سے ہنکلر نے لندن سے لٹویا کے دارالحکومت ریگا تک ۱۲۰۰ میل کا سفر کہیں رُکے بغیر کیا۔ لٹویا اِس وقت روس کے علاقے میں واقع ہے۔ چھوٹے جہازوں میں کہیں رُکے بغیر اتنا لمبا سفر پہلے کبھی نہیں کیا گیا تھا۔ ویسے تو لمبا سفر کرنا خود اپنی جگہ بڑی تعریف کی بات ہے، لیکن ہنکلر کی زیادہ تعریف اس لیے کی جاتی ہے کہ اس کے

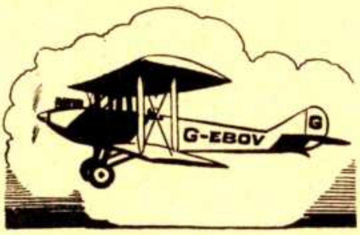

ایورو ایوین نامی اس جہاز میں ہنکلر نے لندن سے ادسٹریلیا اور لٹویا کا سفر کیا۔

جہاز میں راستہ بتانے کے لیے آج کل کے جہازوں کی طرح کوئی آلہ نہیں تھا۔ اُس زمانے میں لوگ کہا کرتے تھے کہ ہنکلر کے دماغ میں ایک قطب نما ہے جو اُسے صحیح راستہ بتاتا رہتا ہے۔

فروری ۱۹۲۸ء میں ہنکلر نے ایک مرتبہ پھر تنہا انگلستان سے اوسٹریلیا جانے کا منصوبہ بنایا۔ اس سفر کے لیے بھی اُس نے ایورو کمپنی کے تیار کردہ ایوین جہاز ہی کا انتخاب کیا۔ اُس وقت تک اس جہاز کو بنے ہوئے دو سال گزر چکے تھے۔ ہنکلر نے اس جہاز میں صرف اتنی تبدیلی کرائی کہ مسافروں کے بیٹھنے کی جگہ اُس نے پیٹرول کی ٹنکی لگوالی تاکہ ضرورت پڑنے پر اسے استعمال کیا جاسکے۔

ہر جہاز میں ایک کتاب ہوتی ہے جسے لاگ بُک کہتے ہیں۔ اس لاگ بُک میں سفر میں پیش آنے والے مختلف واقعات لکھے جاتے ہیں۔ آج کل کے پائلٹ اس کتاب یا لاگ بُک کو بڑی حیرت سے دیکھتے ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسے پائلٹ کی لاگ بُک ہے جس نے سب سے پہلے تنہا سفر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور بے شمار کامیابیاں حاصل کی تھیں۔ اس کے جہاز میں جو انجن تھا وہ بھی زیادہ طاقت ور نہیں تھا۔ بس ایک موٹر کار کے انجن کے برابر طاقت تھی۔

۷ فروری ۱۹۲۸ء کو ہنکلر لندن کے قریب کوریڈن کے ہوائی اڈّے سے اپنے جہاز میں روانہ ہوا۔ پرواز کا وقت صبح چھے بج کر ۴۸ منٹ تھا۔ کسی جگہ راستے میں رُکے بغیر اُسی روز شام کو وہ ایک ہزار ایک سو میل کا فاصلہ طے کرکے روم کے قریب پہنچ گیا۔ اس سفر میں کسی جگہ رُکے بغیر طے کیا جانے والا یہ سب سے لمبا فاصلہ تھا۔ ۸ فروری کو ہنکلر روم سے ۴۰۰ میل دُور مالٹا پہنچ گیا۔ یہ بحیرہ روم کا ایک جزیرہ ہے۔ یہ فاصلہ ہنکلر نے چھے گھنٹے میں طے کیا تھا۔ ۹ فروری کو ہنکلر نے پورا دن تبروک ہی میں گزارا اور اپنے جہاز کی مرمّت کی۔ برطانیہ سے اوسٹریلیا تک

کے سفر میں ہنکلر نے اپنے جہاز کی ہمیشہ خود ہی مرمّت کی۔ البتہ ایک مرتبہ جب اس کے جہاز کی پیٹرول کی ٹنکی سے پیٹرول بہنے لگا تھا تو جہاز کی مرمّت برطانیہ کی فضائی فوج کے آدمیوں نے کی تھی۔

۱۱ فروری کو ہنکلر تبروک سے رملہ پہنچا۔ یہ شہر فلسطین کے علاقے میں واقع ہے۔ ۱۲ فروری کو ہنکلر ۹۰۰ میل کا فاصلہ طے کر کے بصرہ پہنچا۔ یہ فاصلہ اس نے ساڑھے نو گھنٹے میں طے کیا تھا۔ ۱۳ فروری کو بصرے سے ۸۰۰ میل دُور ایران کے علاقے میں واقع شہر جسک پہنچ چکا تھا۔ ۱۴ فروری کو جسک سے ۷۸۰ میل سفر کر کے کراچی پہنچ گیا۔ اس طرح ہنکلر نے لندن سے کراچی تک کا فاصلہ سات دن میں طے کیا تھا۔ اگر اوسط نکالا جائے تو ہنکلر نے ہر روز تقریباً ۶۵۰ میل سفر کیا۔ ۱۵ فروری کو وہ کراچی سے چل کر ۸۵۰ میل دُور ہندُستان کے شہر کانپور پہنچ گیا۔ ۱۶ فروری کو وہ کانپور سے کلکتے پہنچ گیا۔ ۱۷ فروری کو اُس نے کلکتہ سے رنگون تک سفر کیا۔ رنگون برما کا دارالحکومت ہے۔ اس سفر میں ہنکلر کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ کلکتے سے اکیاب جاتے ہوئے اُسے خلیج بنگال کے اوپر سے گزرنا تھا۔ اکیاب بھی برما کا ایک شہر ہے اور کلکتے سے رنگون جاتے ہوئے پہلے اکیاب آتا ہے۔ ہنکلر کا جہاز کلکتے سے روانہ ہوا تو خلیج بنگال میں تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ اس کا جہاز تو یوں بھی بہت چھوٹا تھا۔ ان تیز ہواؤں کی وجہ سے یہ جہاز بار بار اُچھل جاتا۔ پھر بارش بھی ہونے لگی۔ بارش کی وجہ سے جہاز کے سامنے کا شیشہ اتنا دُھندلا گیا کہ ہنکلر کو سامنے کی کوئی چیز دکھائی نہ دیتی۔ ہنکلر کو معلوم تھا کہ اکیاب سے رنگون کے راستے میں یوما پہاڑ بھی ہے۔ اس پہاڑ کو پار کرنے کے لیے اُسے اپنے جہاز کو اور اُوپر اُٹھانا پڑا۔ یہاں تک کہ وہ زمین سے ۷۵۰۰ فیٹ کی بلندی پر پہنچ گیا۔ تب کہیں جا کر اُسے کچھ اطمینان ہوا۔ اُس زمانے میں کسی چھوٹے سے جہاز کو اتنی بلندی پر اُڑانے کے بارے میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

ہنکلر نے پس ماتھ نامی ہوائی جہاز بھی اُڑایا۔

۱۸ فروری کو جب ہنکلر رنگون سے چلا تو ایک مرتبہ پھر اس کا جہاز بارش میں پھنس گیا۔ بارش اتنی تیز تھی کہ سامنے کی کوئی چیز دکھائی نہ دیتی تھی، لیکن اپنی مہارت کی وجہ سے وہ ملائیشیا کے

راستے میں واقع وکٹوریہ پوائنٹ تک پہنچ گیا۔ رنگون سے اس مقام کا فاصلہ ۵۰۰ میل ہے۔ ۱۹ فروری کو وہ ۲۰۰ ۷ میل کا سفر کر کے ملائیشیا پہنچا، پھر ۲۰ فروری کو انڈونیشیا کے شہر بنڈونگ پہنچا۔ پھر ۲۱ فروری کو جزیرہ سمباوا اور ۲۲ فروری کو اوسٹریلیا کے شہر ڈاروین پہنچ گیا۔ جزیرہ سمباوا سے چلنے کے بعد اُسے چھے سو میل کا فاصلہ بحیرہ تیمور کے اوپر طے کرنا تھا، لیکن اس لمبے سفر کے لیے ہنکلر نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں رکھی تھی۔ اُس نے اصل میں یہ سوچا تھا کہ یا تو وہ اوسٹریلیا پہنچ کر کھانا کھائے گا یا پھر بحیرۂ تیمور میں ہی کہیں اس کا جہاز گر پڑے گا۔ اگر ایسا ہوا تو ہو سکتا ہے کہ قریب سے گزرنے والا کوئی بحری جہاز اُسے بچالے، لیکن صبح چھے بجے کے قریب اس کا جہاز خیریت سے ڈاروین کے ہوائی اڈے پر اُتر گیا۔

ہنکلر نے انگلستان سے اوسٹریلیا کا سفر ساڑھے پندرہ دن میں پورا کیا تھا۔ اس سے پہلے جس پائلٹ نے یہ سفر کیا تھا اُس نے انگلستان سے اوسٹریلیا پہنچنے میں ۲۸ دن صَرف کیے تھے۔

برٹ ہنکلر نے چھوٹے ہوائی جہازوں کے ذریعے سے جتنے سفر کیے اُن میں ۱۹۳۱ء میں کیا جانے والا سفر بہت مشہور ہے۔ اس میں وہ نیویارک سے جمائکا پہنچا۔ یہ شمالی اور جنوبی امریکا کے درمیان ایک جزیرہ ہے۔ پھر وہ جنوبی امریکا کی ریاست برازیل کی بندرگاہ نیٹال پہنچا۔ یہاں سے اُس نے بحر اوقیانوس کو پار کیا اور براعظم افریقہ کے مغربی ساحل پر واقع ملک گیمبیا کے دارالحکومت باتھرسٹ پہنچا اور یہاں سے انگلستان۔ اس طرح اس نے اس سفر میں تقریباً دس ہزار میل کا فاصلہ طے کیا۔ اس سفر کی ایک خاص بات یہ بھی تھی کہ اس بار ہنکلر نے زیادہ تر رات کے وقت سفر کیا تھا۔

نیویارک سے جمائکا اور افریقہ ہوتے ہوئے انگلستان تک سفر کے دوران نیٹال سے باتھرسٹ تک سفر میں ہنکلر کو طوفان کی وجہ سے اپنا جہاز سمندر کی سطح کے بالکل قریب اُڑانا پڑا۔

رات کے وقت ہوائی جہاز اُڑانے کے لیے جہاز میں خاص قسم کے آلات ہوتے ہیں، لیکن ہنکلر کے جہاز میں ایسا کوئی آلہ نہیں تھا۔ چناں چہ امریکا کے قانون کے مطابق اُس پر پابندی تھی کہ وہ امریکی علاقے کے اوپر سے نہیں گزرے گا۔ چناں چہ اس نے نیویارک سے وینیزویلا کے شہر مارا کیبو تک سارا سفر سمندر کے اوپر کیا۔ اس کے علاوہ نیٹال سے باتھرسٹ پہنچنے کے لیے دو ہزار میل کا فاصلہ اُسے بحرِاوقیانوس کے اوپر سفر کر کے پورا کرنا پڑا۔

ہنکلر نے یہ سفر تو بڑا اچھا موسم دیکھ کر شروع کیا تھا، لیکن جیسے ہی اس کا جہاز سمندر کے اوپر پہنچا، طوفان میں پھنس گیا۔ چناں چہ ہنکلر کو چھے گھنٹے تک سمندر کی سطح کے قریب بس لہروں سے ذرا اوپر پرواز کر کے اپنا سفر پورا کرنا پڑا۔ جب رات ہو گئی تو ہنکلر نے اپنا جہاز ۱۲ سو فیٹ اوپر اُٹھا لیا، لیکن اس کے باوجود وہ بادلوں سے اوپر نہیں جا سکا۔ سامنے کی کوئی چیز تو نظر ہی نہیں آتی تھی۔ جہاز کو یا تو اندازے سے چلانا پڑتا یا اُس چھوٹے قطب نما کے ذریعے سے جو ہنکلر کے پاس موجود تھا، جہاز کی سمت درست رکھنی پڑتی۔ اس سفر میں لوگوں کو ہنکلر کے زندہ بچنے کی امید ہی نہیں تھی۔ اسی لیے سفر شروع ہونے سے پہلے لوگ اُسے عام طور پر پاگل کہنے لگے تھے۔

ہنکلر دنیا کا وہ پہلا آدمی ہے جس نے ایک چھوٹے ہوائی جہاز کے ذریعے سے جنوبی بحرِاوقیانوس پار کیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۲۷ میں بحرِاوقیانوس کو کسی بھی جگہ سے ہوائی جہاز کے ذریعے سے پار کرنے والا وہ پہلا ہواباز تھا۔ اس سے پہلے بحرِاوقیانوس (شمالی) کو ۱۹۲۷ء میں لنڈبرگ نے پار کیا تھا۔

ہنکلر نے اپنی زندگی میں ہوابازی کے بہت سے انعامات حاصل کیے۔ ۱۹۲۰ء، ۱۹۲۸ء اور ۱۹۳۱ء میں اس نے برطانیہ کی چیلنج ٹرافی جیتی۔ بحرِاوقیانوس (جنوبی) پار کرنے پر اُسے سی گریو ٹرافی اور اوسوالڈ واٹ طلائی تختی دی گئی۔ اوسٹریلیا تک سفر کرنے پر اُسے ایئر فورس کراس بھی دیا گیا اور برطانوی فضائی فوج کا اعزازی اسکواڈرن لیڈر بنا دیا گیا۔

ہنکلر نے آخری پرواز ۱۹۳۳ء میں کی۔ اس مرتبہ بھی وہ انگلستان سے اوسٹریلیا جانا چاہتا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ آٹھ دن ۲۰ گھنٹے میں یہ سفر پورا کرے گا۔ اس مرتبہ وہ ڈی ہیوی لینڈ ماتھ نامی جہاز میں سفر کر رہا تھا۔ کوریڈن سے پرواز کرنے کے بعد کوہ ایلپس کے قریب اس کا جہاز آخری بار دیکھا گیا۔ یہ پہاڑ یورپ کا سب سے اُونچا پہاڑ ہے اور اٹلی کے شمال میں اٹلی اور سوئزر لینڈ کے درمیان میں واقع ہے۔ اس کے بعد چار مہینے تک ہنکلر کے متعلق کوئی خبر نہیں ملی۔ چار مہینے بعد

کچھ لوگ اٹلی کے علاقے میں ایلپس کے ڈھلانوں سے گزر رہے تھے کہ انھوں نے ہنکلر کے جہاز کا ڈھانچہ ایک جگہ پڑا دیکھا۔ اس کے جہاز میں وائرلیس تو تھا نہیں کہ وہ اپنے متعلق کسی کو کوئی اطلاع دیتا۔ اس لیے آج تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ ہنکلر کا جہاز کیوں تباہ ہوا۔ جس جگہ اس جہاز کا ڈھانچہ پڑا ہوا ملا تھا وہاں ہنکلر کی ایک یادگار تعمیر کر دی گئی ہے۔

گھوڑوں کی پہچان

دو دوست دو گھوڑے خرید کر لائے اور فیصلہ کیا کہ اپنے اپنے گھوڑے کی کوئی پہچان یا نشانی مقرر کریں گے۔

دوسرے روز:

پہلا دوست: "میں نے اپنے گھوڑے کا کان کاٹ دیا ہے۔"

دوسرا دوست: "میں نے بھی کان کاٹ دیا ہے۔"

پہلا دوست: "چلو، کل دوسری نشانی رکھ لیں گے۔"

تیسرے روز:

پہلا: "میں نے اپنے گھوڑے کی دُم کاٹ دی ہے۔"

دوسرا: "میں نے بھی دُم ہی کاٹی ہے۔"

پہلا: "چلو کل کوئی دوسری نشانی رکھ لیں گے۔"

چوتھے روز:

پہلا: "میں نے اپنے گھوڑے کی ٹانگ توڑ دی ہے۔"

دوسرا: "میں نے بھی اپنے گھوڑے کی ٹانگ توڑی ہے اس لیے کوئی اور نشانی رکھ لیتے ہیں۔"

پہلا: "میرا خیال ہے یہ نشانی رکھ لیتے ہیں کہ سفید والا گھوڑا تمھارا ہے اور کالا والا میرا ہے۔"

مرسلہ: حمیرا شائق، حیدر آباد

پُراسرار جھیل

دوسری جنگ عظیم بڑی زور و شور سے جاری تھی۔ ایک طرف جرمنی اور جاپان تھے۔ تو دوسری طرف امریکا برطانیہ اور روس۔ وہ تمام ملک جہاں جہاں اُس زمانے میں برطانیہ کی حکومت تھی لازمی طور پر برطانیہ ہی کا ساتھ دے رہے تھے۔ جرمنی اور جاپان کی کوشش تھی کہ کسی طرح ان ملکوں پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ ان ملکوں کی دولت اور باشندے ان کے کام آئیں۔ جاپان تو خاص طور پر اس بات کی کوشش کر رہا تھا کہ ان ملکوں میں کسی طرح برطانیہ کے خلاف بغاوت ہو جائے اور وہ باغیوں کی مدد کرنے کے بہانے اپنی فوجیں وہاں بھیج سکے۔ لوگوں کو بغاوت پر

سیلی اور ڈک سائکلوں پر بیٹھ کر سیر کے لیے نکلے تھے

اُکسانے کے لیے ہر طرح پروپگنڈا کیا جاتا تھا۔ بعض ملکوں میں خفیہ ریڈیو اسٹیشن بھی لگا لیے گئے تھے، جن سے برطانیہ کے خلاف پروپگنڈا ہوتا تھا۔ ایسے ہی ملکوں میں اوسٹریلیا بھی شامل تھا، جہاں اُس وقت برطانیہ کی حکومت تھی۔

سیلی اور ڈِک سائکلوں پر بیٹھ کر سیر کے لیے نکلے تھے۔ سیلی برطانیہ میں رہتی تھی۔ وہ چھٹیاں گزارنے کے لیے اپنے چچا کے پاس اوسٹریلیا آئی تھی۔ اس کے چچا بہت دنوں سے اوسٹریلیا میں تجارت کرتے تھے۔ ان کا ایک ہی لڑکا تھا ڈِک! وہ سیلی ہی کا ہم عمر تھا۔ آج اُن دونوں نے صبح صبح سائیکل پر سیر کرنے کا پروگرام بنایا تھا اور بہت دور نکل آئے تھے۔ یہاں اچھا خاصا جنگل شروع ہو چکا تھا۔ جنگل یوکلپٹس کے درختوں کا تھا۔ بڑی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ دونوں نے جنگل کے اندر جانے کا پروگرام بنا لیا۔ اپنی سائکلیں ایک درخت کے نیچے رکھ کر وہ جنگل میں گھس گئے۔ یہاں ایسی ہوا آرہی تھی جیسے قریب ہی کہیں کوئی دریا بہ رہا ہو یا پانی کا بڑا سا تالاب ہو۔ تھوڑی ہی دیر میں واقعی ایک ایسی جگہ پہنچ گئے، جہاں ایک بہت بڑی جھیل تھی۔

"اوہو! کتنا پانی ہے۔" سیلی نے کہا۔

"ہاں یہ جھیل بہت بڑی ہے۔ کیا تمھارے ہاں بھی اتنی بڑی جھیلیں ہیں؟" ڈِک نے پوچھا۔

سیلی نے جواب دیا، "ہوں گی لیکن جہاں ہم لوگ رہتے ہیں وہاں کوئی جھیل نہیں۔ وہاں تو کوئی ندی بھی نہیں ہے۔ مجھے کشتی میں بیٹھ کر سیر کرنے کا بہت شوق ہے، لیکن اپنے شہر میں، میں یہ شوق پورا نہیں کرسکتی۔ آج میں یہ شوق ضرور پورا کروں گی۔"

ڈِک بولا، "ہاں شاید یہاں کوئی چھوٹی سی ڈونگی بھی مل جائے۔ اکثر مچھیرے ایسی چھوٹی چھوٹی ڈونگیوں میں بیٹھ کر مچھلیاں پکڑتے ہیں لیکن ایک بات یاد رکھو! جو کوئی اس جھیل میں سیر کرتا ہے وہ غائب ہو جاتا ہے۔ پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ جھیل میں سیر کرنے والے ڈوب جاتے ہیں، لیکن کبھی کسی ڈوبے ہوئے کی لاش نہیں مل سکی۔ حال آنکہ غوطہ خوروں نے تلاش بھی کیا لیکن کبھی کام یابی نہیں ہوئی۔ اسی لیے لوگ اُسے پُراسرار جھیل کہنے لگے اور اس میں سیر کرنا چھوڑ دیا۔"

"میں ایسی باتوں کو نہیں مانتی۔ لوگ تو خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔ ہمیں یہ راز معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر ہم کام یاب ہو گئے تو سچ مچ بڑا نام ہوگا۔ آؤ کوئی ڈونگی تلاش کریں۔" سیلی نے کہا۔

پھر دونوں جھیل کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اُنھیں ایک ننھی منی کشتی نظر آگئی یہ اتنی بڑی تھی کہ گیارہ بارہ سال کے دو بچے اس میں آسانی سے بیٹھ سکتے تھے۔ سیلی اور ڈِک کی عمریں بھی اتنی ہی تھیں۔ وہ دونوں کشتی میں بیٹھ گئے۔ کشتی میں دو چپّو بھی رکھے تھے۔ دونوں نے ایک ایک چپّو سنبھال لیا اور کشتی کھینے لگے۔

کشتی کا رُخ دوسرے کنارے کی طرف تھا۔ جہاں انھیں گھنی جھاڑیاں نظر آرہی تھیں۔ بہت سے درخت بھی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جھیل کے دوسرے کنارے پر گھنا جنگل ہے، لیکن جب ان کی کشتی کافی فاصلہ طے کر چکی اور وہ جھاڑیاں قریب آگئیں تو اُنھیں اندازہ ہوا کہ یہ تو جھیل کے بیچ میں ایک جزیرہ ہے۔ اس جزیرے پر اُنھیں ایک عمارت بھی نظر آرہی تھی۔ لیکن دُور ہی سے دیکھنے پر معلوم ہوتا تھا کہ عمارت خاصی پرانی ہے۔ سیلی اور ڈک اب تیز تیز کشتی کھینے لگے۔ دونوں اس جزیرے پر پہنچنا چاہتے تھے اُنھوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ وہ جزیرے پر اُتر کر اس پرانی عمارت کو اندر سے بھی دیکھیں گے۔ ڈک جانتا تھا کہ لوگ تو جھیل ہی میں نہیں جاتے جزیرے تک کون جاتا ہوگا پھر یہ عمارت وہاں کب اور کس نے بنوائی ہوگی؟ ان ہی تمام سوالات کا جواب معلوم کرنے کے لیے وہ چاہتا تھا کہ عمارت کو اچھی طرح دیکھ لے، شاید کچھ اندازہ ہو سکے، اس لیے اُس نے سیلی سے کہا تھا کہ وہ دونوں جزیرے پر اُتر کر عمارت تک جائیں گے۔ اِدھر سیلی تو آئی ہی تفریح کے لیے تھی اس لیے وہ بھی فوراً تیار ہو گئی تھی۔

ان کی کشتی جب جزیرے کے کنارے پر پہنچی تو ڈک فوراً جھیل میں کود پڑا۔ یہاں پانی ڈک کی کمر سے کچھ اوپر تھا۔ اُس نے ڈونگی کو ساحل کی طرف کھینچا اور قریب کے ایک موٹے درخت سے اسے باندھ دیا۔ اس کام کے لیے رسّی انھیں کشتی میں ہی مل گئی تھی، شاید وہ تھی بھی اسی مقصد کے لیے۔ اب سیلی بھی چھلانگ لگا کر ساحل پر اُتر گئی۔ پھر وہ دونوں جھاڑیاں ہٹا کر اپنے لیے راستہ بناتے ہوئے اس عمارت کی طرف چلنے لگے۔ پہلے تو وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ جزیرہ بہت بڑا ہوگا اور عمارت بھی خاصی دور ہوگی، لیکن جب وہ جزیرے پر پہنچے تو ان کے دونوں اندازے غلط ثابت ہوئے نہ تو جزیرہ بہت بڑا تھا اور نہ عمارت ساحل سے زیادہ دُور تھی۔ تھوڑی سی دیر میں وہ عمارت تک پہنچ گئے۔ عمارت بہت پرانی معلوم ہو رہی تھی۔ کئی جگہ سے اس کی دیواریں تڑخ گئیں تھیں۔ لال رنگ کی اینٹوں میں جو دراڑیں پڑیں تھیں اُن میں کہیں کہیں جنگلی خود رو پودے اُگ آئے تھے۔ وہ جس طرف

سے عمارت کے قریب پہنچے تھے وہ شاید عمارت کا پچھلا حصّہ تھا، کیوں کہ اس طرف انھیں اندر داخل ہونے کے لیے کوئی دروازہ نظر نہیں آیا۔ دونوں عمارت کی دیوار پر نظر ڈالتے ہوئے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ کچھ دُور آگے چل کر اُنھیں مڑنا پڑا۔ یہ عمارت کا دوسرا رخ تھا۔ یہاں اُنھیں ایک دروازہ بھی نظر آگیا۔ دروازہ کُھلا ہوا تھا۔ وہ دونوں عمارت کے اندر داخل ہو گئے۔ اندر انھیں کئی کمرے نظر آئے۔ دُور ہی سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب خالی ہیں، ان میں کوئی نہیں رہتا۔ کئی کمروں کی تو چھت گر چکی تھی۔ ڈِک اور سیلی انھیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ اب وہ ایک ایسے کمرے کے سامنے پہنچے جس کا دروازہ بالکل نیا معلوم ہو رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے، جیسے آپس ہی میں آنکھوں آنکھوں میں پوچھ رہے ہوں کہ اس پرانی عمارت میں یہ نیا دروازہ کہاں سے آگیا؟ آخر ڈِک نے کمرے کے اندر دیکھنے کے لیے دروازے کو آہستہ سے دھکا دیا۔ دروازہ بغیر آواز کے کُھل گیا۔ اس کمرے میں عجیب و غریب قسم کی مشینیں لگی ہوئی تھیں۔ دو ایک میزوں پر مائکروفون جیسے آلے بھی لگے ہوئے تھے۔ کمرا اندر سے صاف ستھرا تھا۔ ڈِک اور سیلی اندر داخل ہو کر حیرت سے ان مشینوں کو دیکھنے لگے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کچھ کیا ہے اور یہ مشینیں کس کام کی ہیں۔ وہ دونوں ان مشینوں کو دیکھنے میں مصروف تھے، اُنھیں پتا بھی نہ چلا کہ کوئی اُن کے پیچھے پہنچ گیا ہے، جب پیچھے سے آنے والے آدمی نے اچانک دونوں کی گردنیں پکڑ لیں تو دونوں نے اُسے دیکھا۔ وہ ایک لمبا چوڑا آدمی تھا۔ گھونگریالے بال تھے۔ اپنے لباس سے وہ کوئی شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ اس نے بچّوں سے مُسکراتے ہوئے پوچھا:

"کیوں بچّو! تم دونوں یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ہم ان مشینوں کو دیکھ رہے ہیں"۔ سیلی نے معصومیت سے جواب دیتے ہوئے اُلٹا سوال کر دیا، "یہ مشینیں کیا کام کرتی ہیں؟" "اوں ہُنہ! یہ تو ہم نہیں بتائیں گے کہ یہ مشینیں کیا کام کرتی ہیں" اس آدمی نے کہا، "لیکن تم ہمیں یہ ضرور بتاؤ گے کہ تم دونوں یہاں تک پہنچے کیسے؟"

ڈِک کو اس آدمی کی آواز ایسی معلوم ہوئی جیسے وہ پہلے بھی یہ آواز کہیں سن چکا ہے۔ لیکن اُسے یاد نہیں آرہا تھا کہ یہ آواز اس نے کہاں سنی تھی۔ ڈِک اس آواز کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ ایک اور آدمی اس کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی عمر پہلے آدمی سے زیادہ تھی، کیوں کہ اس کے سر کے بال خاصے سفید ہو چکے تھے۔ اُس نے آتے ہی پہلے آدمی کو مخاطب کر کے پوچھا:

"تم ان دونوں کو پکڑے ہوئے کیا کر رہے ہو؟"

"میں پوچھ رہا ہوں کہ یہ دونوں شریر یہاں تک کیسے پہنچے۔"

"بھئی! کسی طرح بھی پہنچے ہوں۔ اب تو یہ پہنچ ہی گئے۔" دوسرے آدمی نے اپنی بات جاری رکھی" اب یہ پہنچ ہی گئے ہیں تو انہیں یہاں سے جانا نہیں چاہیئے۔ آج رات تک یہ ہمارے مہمان رہیں گے۔ رات کو گشتی سمندری کشتی ہم دونوں کو لینے اور رات کی ڈیوٹی والوں کو چھوڑنے آئے گی تو ہم انھیں اپنے ساتھ لے جاکر ہیڈ کوارٹر پہنچا دیں گے۔ وہاں سے انھیں گہرے سمندر میں پہنچا دیا جائے گا۔ پھر یہ اللہ میاں کے پاس چلے جائیں گے اور لوگ یہ سمجھتے رہیں گے کہ جھیل میں دو بچے بھی غائب ہو گئے۔" یہ سب باتیں اس نے ایسے مسکرا مسکرا کر کیں جیسے وہ دو بچوں کی جان لینے کا پروگرام نہ سنا رہا ہو بلکہ اپنے کسی دوست سے ملنے یا تفریح کرنے کا پروگرام بنا رہا ہو۔

ڈک کو تو اس آدمی کی آواز بھی کچھ جانی پہچانی لگ رہی تھی۔ لیکن اُسے یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُس نے انھیں کب اور کہاں دیکھا ہے۔ اور یہ آوازیں کیسے سُنی ہیں۔ وہ اس معاملے پر غور ہی کر رہا تھا کہ

ڈک اور سیلی تھوڑی سی دیر میں عمارت تک پہنچ گئے۔

دوسرے آدمی نے پھر کہا:

"چلو بھئی انھیں مہمان خانے میں لے چلو اور ان کی خاطر مدارت کرو۔ یوں پوچھ گچھ کرنے میں وقت برباد کرنا ٹھیک نہیں۔"

دوسرے آدمی کے کہنے پر پہلے آدمی نے ڈِک اور سیلی کی گردن پکڑے پکڑے ایک طرف دھکا دیا۔ پھر وہ انھیں لے کر ایک ایسے کمرے میں پہنچا جہاں ایک میز کے چاروں طرف کرسیاں پڑی تھیں۔ اُس نے دونوں کو کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ اتنے میں دوسرا آدمی رسیوں کے دو مضبوط ٹکڑے اٹھا لایا پھر دونوں نے مل کر ڈِک اور سیلی کے ہاتھ پیر باندھ دیے اور کمرے سے نکل گئے۔

سیلی اب گھبرا کر رونے لگی تھی۔ ڈِک نے اسے تسلّی دیتے ہوئے کہا کہ اُس کے پاپا انھیں ضرور تلاش کریں گے۔ یوں بھی اب شام ہونے والی ہے۔ ہمیں اس وقت تک گھر پہنچ جانا چاہیے تھا۔ جب ہم گھر نہیں پہنچیں گے تو پاپا ضرور پولیس کو ساتھ لے کر ہماری تلاش میں نکل کھڑے ہوں گے اور ہمیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں گے۔ ڈک کے تسلّی دینے سے سیلی خاموش تو ہوگئی لیکن دِل ہی دل میں وہ سوچ رہی تھی کہ یہ دونوں آدمی دیکھنے میں کتنے شریف معلوم ہوتے ہیں، باتیں بھی مُسکرا مُسکرا کر کرتے ہیں لیکن انھی لوگوں نے ہمیں باندھ رکھا ہے۔ دوسری طرف ڈِک مسلسل سوچے جا رہا تھا کہ اُس نے ان دونوں آدمیوں کی آوازیں کہاں سنی ہیں۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد آخر اسے یاد آ ہی گیا کہ ایک دن اُس نے اپنی پسند کا پروگرام سننے کے لیے ریڈیو کھولا تو اتفاق سے اُس خفیہ ریڈیو کا اسٹیشن مل گیا جو اوسٹریلیا میں کہیں قائم تھا۔ اُس وقت بات چیت کا پروگرام نشر ہو رہا تھا۔ جو آوازیں ڈِک نے سنی تھیں وہ انھی دونوں آدمیوں کی تھیں۔ آوازیں پہچان لینے کے بعد بھی اُس نے سیلی کو نہیں بتایا کہ وہ ان دونوں کو پہچان گیا ہے اور اب وہ کن لوگوں کے ہتّھے چڑھ گئے ہیں۔

کمرے میں روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا اس لیے یہ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ کب رات ہوئی۔ ایک جگہ خاموش بیٹھے بیٹھے ڈِک اور سیلی کو نیند آ گئی تھی۔ اچانک کسی نے جھنجھوڑ کر جگا یا۔ آنکھ کھلی تو دونوں کے بندھے ہوئے ہاتھ پیر پہلے ہی کھولے جا چکے تھے۔ وہ دونوں آدمی ان کے سامنے کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا:

"چلو بچو! اب تمھیں ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ جلدی کرو" ۔ پھر وہ ڈک اور سیلی کو کھینچتے ہوئے مکان سے باہر لائے۔ مکان سے جھیل زیادہ دور نہیں تھی۔ اس وقت جھیل میں ایک موٹر بوٹ

کھڑی ہوئی تھی ۔ دونوں آدمیوں نے ڈک اور سیلی کو اس میں سوار کر دیا ۔ پھر خود بھی بیٹھ گئے ۔ ذرا سی دیر میں موٹر بوٹ تیزی سے آگے بڑھنے لگی ۔ رات کا وقت تو تھا ہی چاند بھی نہیں نکلا تھا ۔ دونوں آدمیوں نے موٹر بوٹ کی لائٹ بھی نہیں جلائی تھی ۔ بس اندازے سے ہی چل رہے تھے ۔ ڈک اور سیلی موٹر بوٹ کے پچھلے حصّے میں تھے اور وہ دونوں آدمی اگلے حصے میں بیٹھے باتیں کرتے جا رہے تھے ۔ ان باتوں میں شاید انھیں راستے کا اندازہ نہیں ہو سکا ۔ ادھر ڈک سیلی کو سمجھا رہا تھا ۔

" جیسے ہی ساحل قریب آئے تو تم فوراً جھیل میں چھلانگ لگا دینا ، مجھے تیرنا آتا ہے ۔ میں تمھیں ڈوبنے نہیں دوں گا ۔ ہم ایک بار اُن سے چھٹکارا پا کر ساحل پر پہنچ جائیں تو یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے ۔"

ابھی ڈک کا جملہ پورا ہی ہوا تھا کہ ایک زور کا دھاکا سا ہوا موٹر بوٹ ایک طرف جھک کر رک گئی ۔ انھیں بڑی زور کا جھٹکا لگا جس سے ڈک اور سیلی لڑھک کر موٹر بوٹ کے تختوں پر گر گئے ۔ موٹر بوٹ شاید پانی کے نیچے کی چٹانوں سے ٹکرا گئی تھی ۔ اس دھچکے سے وہ دونوں آدمی بھی لڑھکے لیکن اُن میں سے ایک نے فوراً سنبھل کر جھیل میں چھلانگ لگا دی دوسرے آدمی نے پلٹ کر ڈک اور سیلی کو پکارا :

" بچّو ! تم کہاں ہو ؟ "

ڈک نے فوراً سیلی کے منھ پر ہاتھ رکھ دیا ۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس آدمی کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ دونوں ابھی تک کشتی پر موجود ہیں ۔ ڈک کی چال کام یاب ہوئی وہ آدمی بڑبڑایا :

" شاید دونوں ہی پانی میں گر گئے ۔ چلو اچھا ہوا ۔ جان چھوٹی " ۔ پھر اس آدمی نے بھی پانی میں چھلانگ لگا دی ۔ ڈک تھوڑی دیر تک انتظار کرتا رہا کہ وہ آدمی بھی کچھ دور نکل جائے ۔ جب اسے اطمینان ہو گیا تو اس نے سر اٹھایا اور سیلی کا ہاتھ پکڑ کر پانی میں اُتر گیا ۔ یہاں پانی بہت کم گہرا تھا ۔ تیرنے کی بھی ضرورت نہیں تھی ۔ وہ دونوں دو چار قدم ہی چلے ہوں گے کہ کسی چیز سے ٹکرا گئے ۔ یہ دراصل موٹے موٹے رسّے تھے جو جھیل میں موٹی موٹی لکڑیاں گاڑ کر باندھ دیے گئے تھے ۔ اب وہ دونوں ان رسّوں کو پکڑ کر آسانی سے ساحل تک پہنچ سکتے تھے ۔

دونوں جیسے ہی ساحل پر پہنچے کسی نے ان پر ٹارچ سے روشنی ڈالی ۔ اصل میں یہ پولیس والے تھے جو ڈک کے پاپا کی درخواست پر انھی دونوں کو ڈھونڈ رہے تھے ۔ دو پولیس والوں نے جھیل میں اُتر کر دونوں بچّوں کو سہارا دیا ۔ پولیس افسر کے پوچھنے پر ڈک نے انھیں پوری کہانی

سنا دی اور یہ بھی بتا دیا کہ خفیہ ریڈیو اسٹیشن جزیرے پر بنے ہوئے پرانے مکان میں قائم ہے۔
دو دن بعد ڈک اور سیلی شام کو اپنے باغ میں بیٹھے تھے کہ ڈک کے پاپا کے ساتھ پولیس کا ایک بڑا افسر وہاں پہنچا۔ پولیس افسر نے بتایا کہ تمام جاسوس پکڑ لیے گئے۔ خفیہ ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کر لیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ ڈک اور سیلی کی وجہ سے ہوا ہے، نہ وہ پراسرار جھیل میں سیر کے لیے جاتے نہ یہ راز کھلتا، اس لیے حکومت نے دونوں کو سونے کے تمغے دیے ہیں۔ پھر اس نے ڈک اور سیلی کے سینوں پر وہ تمغے لگا دیے۔

ہمدرد نونہال کا

خاص نمبر

ہمدرد نونہال کا خاص نمبر ستمبر ۱۹۸۵ء میں شائع کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا ہے اور تیاری شروع کر دی گئی ہے۔ خاص نمبر کو انتہائی دل چسپ، معلومات افزا اور پُر لطف بنانے کے لیے کام شروع کر دیا گیا ہے۔

یہ خاص نمبر ان شاء اللہ بہت خاص نمبر ہو گا۔

خاص نمبر میں عمدہ، مزے دار سنسنی خیز کہانیوں کے علاوہ ● سدا بہار قصے ● شیخ سعدی کی حکایات مسکراتی تحریریں ● بڑے بڑے لوگوں کی مزاحیہ تحریریں ● بڑے لوگوں کے اقوال ● صحت اور سائنس پر حیرت انگیز معلومات ● انعامی سلسلے ● معلومات عامہ ● تصویری خبریں ● کارٹون نئے لطیفے ● مزاحیہ غزل ● نظمیں ● بوجھو تو جانیں ● خرگوش کی ایک بہت مزے دار مگر مُنّی سی کہانی ● طبّی سوال و جواب اور بہت سی چیزیں ہوں گی۔

صفحات تین سو، خوب صورت سرورق، قیمت صرف ایک ہزار پیسے

ایجنٹ صاحبان ابھی سے اپنی کاپیاں محفوظ کرا لیں۔ نونہال بھی اپنے اخبار والے سے ابھی سے کہہ دیں تاکہ مایوسی نہ ہو۔

دفتر ہمدرد نونہال ہمدرد سنٹر، ناظم آباد ۳، کراچی ۱۸

سچ سچ بتادو کہ مرغی کے گوشت میں بکری کا گوشت کتنا ملایا ہے ورنہ چالان کر دوں گا۔
حضور! جھوٹ نہیں بولتا صرف ففٹی ففٹی، یعنی ایک مرغی اور ایک بکری۔
مرغ سیخ کباب

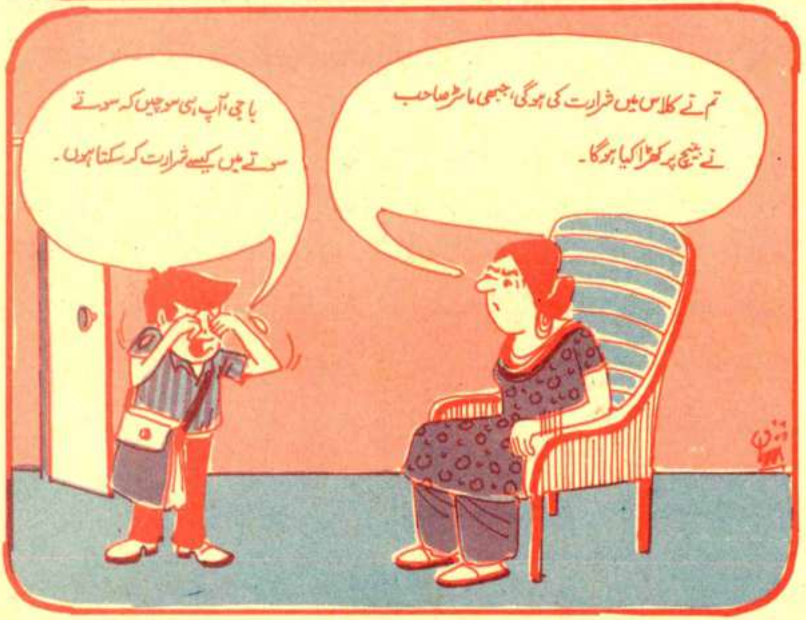
تم نے کلاس میں شرارت کی ہوگی، جبھی ماسٹر صاحب نے بینچ پر کھڑا کیا ہوگا۔
باجی! آپ ہی سوچیں کہ سوتے سوتے میں کیسے شرارت کر سکتا ہوں۔

پروفیسر راز

مناظر صدیقی

"کوئی شخص باورچی خانے کی کھڑکی سے اندر گھس رہا ہے"۔
پرویز نے اپنے دوست مجی کو مخاطب کیا اور مجی کھنڈر نما ویران مکان کی اُس کھڑکی کے قریب پہنچ گیا جہاں سے پرویز اندر گھسنے کی کوشش کرنے والے کو دیکھ رہا تھا۔
پرویز اور مجی دونوں ہی مقامی اسکول میں پڑھتے تھے۔ دونوں میں گہری دوستی تھی۔ اُنھیں فٹ بال کا کھیل بہت پسند تھا۔ یہاں وہ فٹ بال کا میچ ہی دیکھنے آئے تھے۔ اس ویران اور کھنڈر نما مکان کے قریب ہی فٹ بال میچ کھیلا گیا تھا۔ لیکن گراونڈ میں بھیڑ بہت زیادہ تھی اس لیے دونوں نے سوچا تھا کہ اس ویران کھنڈر نما مکان کی کسی کھڑکی یا دیوار پر بیٹھ کر میچ دیکھنا چاہیے۔ چناں چہ دونوں اس ویران مکان کی کھڑکی پر بیٹھ گئے تھے۔ پھر میچ ختم ہوگیا اور دونوں نے واپسی کا ارادہ کیا لیکن اس وقت مجی کے ہاتھ سے پچاس پیسے کا ایک سکّہ زمین پر گر گیا۔ یہ پیسے دونوں کے لیے بہت اہم تھے، کیوں کہ اُنھیں آج جو جیب خرچ ملا تھا اس میں سے یہی ان کے پاس بچے تھے۔ چناں چہ مجی اپنا سکّہ تلاش کرنے لگا۔
میچ ختم ہوتے ہوتے شام ہو چکی تھی۔ پھر وہ سکّہ مجی کے ہاتھ سے گر کر نہ جانے کس طرف لڑھک گیا تھا کہ انھیں بڑی دیر تک اسے ڈھونڈنا پڑا۔ سکّہ تو خیر انھیں پھر بھی نہ مل سکا البتہ وہ ایک دوسری مصیبت میں ضرور گھِر گئے۔ ہوا یہ کہ پرویز نے ایک ایسی آواز سنی جیسے کوئی بہت آہستہ آہستہ اور بڑی احتیاط سے سیڑھیاں چڑھ رہا ہو۔ پرویز نے سر اٹھا کر دیکھا تو واقعی ایک آدمی کچھ فاصلہ پر بنی ہوئی سیڑھیوں پہ چڑھ کر ایک کھلی ہوئی کھڑکی سے اندر جھانک رہا تھا۔ پھر اُس نے پلٹ کر کھنڈر نما مکان کے سامنے اُگی ہوئی جھاڑیوں کی طرف دیکھا اور ہاتھ سے ایسا اشارہ کیا جیسے کسی کو بلا رہا ہو۔ اس کے اشارہ کرتے ہی ایک اور آدمی جھاڑیوں کی اوٹ سے نکل کر انھی سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگا۔ ان دونوں آدمیوں کی حرکتیں دیکھ کر مجی اور پرویز نے اندازہ لگا لیا کہ یہ لوگ کوئی اچھے آدمی نہیں ہیں۔ ضرور چور یا ڈاکو ہیں۔ اب تو انھیں اپنی جان بچانے کی فکر ہوئی، کیوں کہ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ وہ فٹ بال میچ دیکھنے کے لیے جس ویران مکان کی کھڑکی پر بیٹھے تھے وہ چوروں کا اڈا ہے اور چور یا ڈاکو کسی بھی ایسے شخص کو زندہ نہیں چھوڑ سکتے جس نے انکا اڈا دیکھ لیا ہو۔ اب انھیں اپنی غلطی کا

احساس ہوا کہ انھیں پیچ ختم ہونے کے بعد یہاں نہ رکنا چاہیے تھا، لیکن اب وہ کر بھی کیا سکتے تھے سب سے پہلا سوال یہ تھا کہ اپنی جان کیسے بچائی جائے۔ پیچ ختم ہوتے ہوتے ہی شام ہو چکی تھی۔ اب تو خاصا اندھیرا ہو گیا تھا۔ وہ دونوں یہی سوچ رہے تھے کہ انھیں کچھ ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی اُسی کمرے کی طرف آ رہا ہو۔ یہ آوازیں سُن کر دونوں اور زیادہ پریشان ہو گئے۔ انھوں نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا کہ شاید کوئی چھپنے کی جگہ نظر آ جائے۔ شاید ان کی قسمت ہی اچھی تھی۔ کمرے کی ایک دیوار میں ایک الماری بنی ہوئی تھی۔ اس کے پٹ بھڑے ہوئے تھے الماری کے پٹوں پر مکڑیوں نے جالے تان رکھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی پرویز نے الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرگوشی میں کہا،

"چھپنے کی یہی ایک جگہ ہے مکڑیوں کے جالے دیکھ کر کسی کو بھی شبہ نہیں ہوگا۔ آؤ اسی میں چھپتے ہیں لیکن ذرا سی بھی آواز نہ نکلے، سانس بھی روک لو"

پرویز کی بات مجی کی سمجھ میں آ گئی۔ یوں بھی پرویز اُس سے عمر میں کچھ بڑا تھا وہ خود آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا اور پرویز نویں میں۔ اس لیے مجی عام طور پر پرویز کی بات مان لیا کرتا تھا۔ پرویز اور مجی دونوں دیوار میں بنی ہوئی الماری میں داخل ہو گئے۔ مکڑیوں کے کچھ جالے ان کے بالوں میں بھی

مجی اور پرویز نے ویران مکان کے باورچی خانے کی کھڑکی سے ایک آدمی کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔

چیک گئے لیکن دونوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ اس وقت تو یوں بھی جان بچانی تھی۔ الماری میں داخل ہوتے ہی پرویز نے آہستہ سے الماری کا دروازہ بند کرلیا۔ بس اتنی جھری رہنے دی کہ ہوا اندر آتی رہے اور ان کا دم نہ گھٹے۔

دونوں کو الماری میں چھپے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہ دونوں آدمی کمرے میں داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے ٹارچ جلا رکھی تھی۔ پھر شاید ان میں سے ایک اس الماری کے قریب بھی آگیا۔ اور اس نے ٹارچ کی روشنی الماری پر ڈالتے ہوئے کہا:

"اس پر تو مکڑی کے جالے تنے ہوئے ہیں۔ اس میں کوئی گھس ہی نہیں سکتا۔"

"ہاں ٹھیک ہے چلو! دوسرے کمرے دیکھتے ہیں۔ ہمیں پوری طرح اطمینان کرلینا چاہیے کہ اب یہاں کوئی نہیں ہے"

مجی اور پرویز نے دوسرے آدمی کی آواز سنی۔ پھر کمرے سے نکلتے ہوئے دونوں آدمیوں کے قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ تھوڑی دیر کے بعد جب اُنھیں یقین ہوگیا کہ کمرے میں کوئی نہیں ہے۔ تو دونوں الماری سے باہر نکلے۔ دونوں نے چپکے چپکے آپس میں مشورہ کیا۔ بات یہی ٹھیری کہ جتنی جلدی ہوسکے اس ویران مکان سے نکل جانا چاہیئے۔ چناں چہ دونوں دبے قدموں مکان کے دروازے کی طرف بڑھے۔ باہر نکلنے کے لیے انھیں ایک زینے کے پاس سے گزرنا تھا۔ اس زینے کے پاس ایک اور کمرا تھا۔ اس کے پٹ بھڑے ہوئے تھے۔ دروازے کے پاس سے گزرتے ہوئے انھیں دو آدمیوں کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ ان میں سے ایک کہہ رہا تھا "اب ہم اس مکان کو استعمال نہیں کرسکتے۔ ہمیں یہ مکان چھوڑ دینا چاہیے کیوں کہ آج یہاں جو کوئی بھی آیا تھا وہ دن میں دوبارہ آسکتا ہے اور اپنے ساتھ دوسرے آدمیوں کو بھی لاسکتا ہے"۔

"لیکن میں جاؤں گا کہاں، میں تو اس شہر میں اجنبی ہوں"۔

"تم سلام پور چلے جاؤ"۔ پہلے آدمی نے کہا، "میں اسی شہر میں رُک کر اگلے پیغام کا انتظار کروں گا۔ تم سلام پور جاکر باقی ساتھیوں کو بتا دینا کہ اب جو بھی گروپ یہاں آئے وہ پروفیسر راز سے ملاقات کرے اور اُس سے پہلا سوال یہ کرے کہ اُسے نوکری کب ملے گی؟ پھر پروفیسر اُسے باقی لوگوں کا پتا بتا دے گا۔ اب تم فوراً چلے جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ اکرام آجائے وہ کم عقل آدمی ہے ذرا سے شبہ پر پستول نکال لیتا ہے اور گولی چلانے میں بھی دیر نہیں کرتا"۔

دونوں آدمیوں کی باتیں سن کر جمی اور پرویز جلدی سے باہر نکل آئے، کیوں کہ اب دوسرا آدمی بھی کمرے سے نکلنے ہی والا تھا۔ عمارت کے باہر جھاڑیاں ہی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ ان جھاڑیوں میں انھیں چھپنے کے لیے بہترین جگہ مل سکتی تھی۔ پرویز نے جمی کا ہاتھ پکڑ کر جھاڑیوں کی طرف گھسیٹا۔ دونوں ایک جھاڑی کی اوٹ میں چھپ گئے۔ اس وقت مکان سے ایک شخص ہاتھ میں سوٹ کیس لیئے باہر نکلا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر نکل گیا۔ جب تک وہ نظر آتا رہا دوسرا آدمی مکان کے باہر کھڑا ہوا دیکھتا رہا۔ پھر دوسرا آدمی واپس مکان کے اندر داخل ہوگیا۔ ذرا سی ہی دیر میں وہ آدمی انھیں دوبارہ نظر آیا۔ اس کے سر پر ہیڈ فون چڑھا ہوا تھا۔ اور وہ بار بار کسی کا نام لے کر آہستہ آہستہ آواز دے رہا تھا۔ اب پرویز سمجھ گیا کہ اس مکان میں آنے والے دونوں آدمی چور ڈاکو وغیرہ نہیں بلکہ کسی دشمن ملک کے جاسوس ہیں۔ وہ آدمی اب بھی سامنے ہی تھا۔ اس کی موجودگی میں دونوں جھاڑی کے پیچھے سے نکل بھی نہیں سکتے تھے، لیکن شاید اُن کی قسمت اچھی تھی۔ وہ آدمی تھوڑی دیر بعد اندر چلا گیا۔ اب پرویز کے لیے اچھا موقع تھا۔ اُس نے جمی کو اشارہ کیا کہ اب یہاں سے چل دینا چاہیے۔ لیکن اُسی وقت مکان کے احاطے میں ایک اور

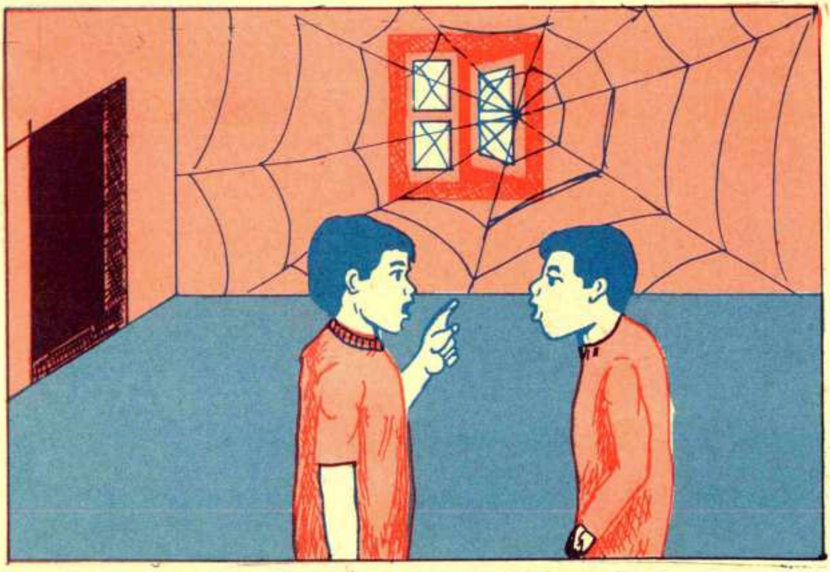

الماری کے پٹوں پر مکڑی کے جالے دیکھ کر پرویز کو ایک ترکیب سوجھی۔

شخص داخل ہوا اس کے ہاتھ میں ایک پستول بھی تھا۔ اور وہ دبے قدموں مکان کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر مجی اور پرویز نے سمجھا کہ یہ وہی اکرام ہے جس کا ذکر ابھی تھوڑی دیر پہلے اندر والے آدمی نے کیا تھا۔ انھیں ایک مرتبہ پھر جھاڑی کی اوٹ میں دبک جانا پڑا۔ پھر جب نیا آنے والا مکان کی پچھلی طرف نکل گیا تو مجی اور پرویز جھاڑی کی اوٹ سے نکلے پہلے تو انھیں دبے پاؤں احاطے کے دروازے تک کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔ پھر انھوں نے بھاگ کر وہ میدان پار کیا جس میں شام کو فٹ بال کھیلا گیا تھا میدان پار کرنے کے بعد بھی وہ کافی دور تک بھاگتے رہے، یہاں تک کہ وہ ہانپنے لگے۔ آخر انھیں رکنا پڑا۔

مجی کی خواہش تھی کہ جلد سے جلد گھر پہنچ جائے لیکن پرویز نے سمجھایا کہ ہم نے جن دو آدمیوں کو ویران مکان میں چھوڑا ہے وہ دونوں دشمن ملک کے جاسوس ہیں۔ انھیں گرفتار کرانا ضروری ہے ورنہ یہ لوگ ہمارے ملک کو کوئی بڑا نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بات مجی کی سمجھ میں بھی آ گئی چناں چہ وہ لوگ سیدھے تھانے پہنچے اور ایک سپاہی کو سارا واقعہ سنا دیا لیکن اُسے ان دونوں کی باتوں کا یقین نہیں آیا۔ اس لیے سپاہی نے ان سے ہنستے ہوئے کہا۔

"جاؤ بچو! جاؤ۔ گھر جا کر سو جاؤ۔ ایسی کتابیں نہ پڑھا کرو کہ سڑک چلتے جاسوس نظر آنے لگیں"۔

"لیکن ہم نے دونوں کو خود دیکھا ہے اور ان کی باتیں سنی ہیں" پرویز اور مجی نے ایک ساتھ کہا

"اچھا اچھا سنی ہوں گی۔ اب تم لوگ گھر جا کر آرام کرو" پولیس والے نے سمجھایا۔ لیکن دونوں ضد کرتے رہے کہ انھیں کسی بڑے افسر سے ملا دیا جائے۔ ان کی باتیں قریب کھڑا ہوا ایک آدمی سن رہا تھا۔ وہ پولیس کی وردی میں تو نہیں تھا لیکن اُسے دیکھتے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ کوئی بڑا افسر ہے۔ وہ آدمی قریب آیا اور ان دونوں سے کہنے لگا، میرا نام سکندر ہے۔ میں خفیہ پولیس میں ہوں تم لوگ اپنی کہانی مجھے سناؤ۔ پرویز اور مجی نے اُس کے سامنے بھی پورا واقعہ دہرایا، جسے سن کر سکندر نے اُن سے کہا:

"دیکھو اگر ہم اس وقت اُس ویران مکان میں جائیں تو تم ہمیں وہ کمرے تو دکھا دو گے جہاں تم نے ان دونوں کی باتیں سنی تھیں اور کیا اُس آدمی کو پہچان لو گے جس نے ہیڈ فون استعمال کیا تھا یا جو پستول ہاتھ میں لے کر داخل ہوا تھا۔

پرویز نے جواب دیا "جس شخص نے ہیڈ فون استعمال کیا تھا اس کی صورت ہم نے ٹھیک طرح

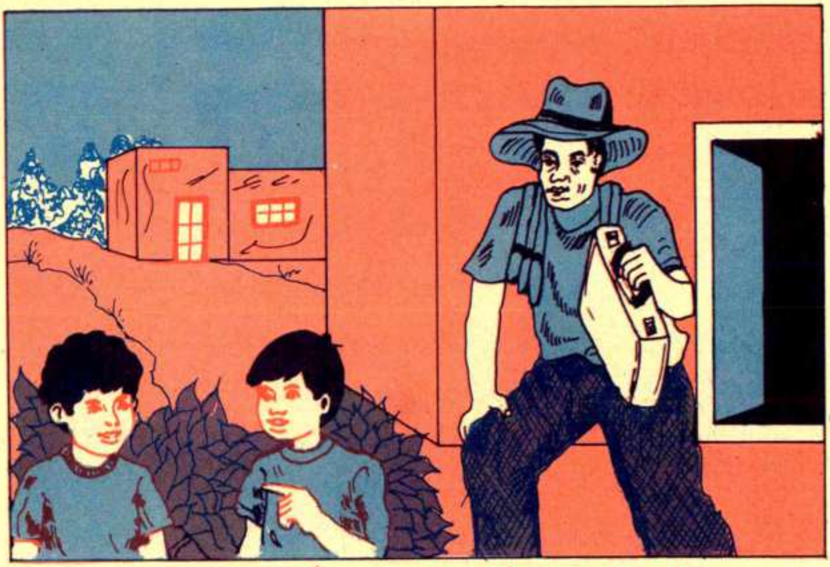

دونوں جھاڑیوں میں چھپے تھے کہ ایک آدمی اندر سے سوٹ کیس لیے باہر نکلا۔

نہیں دیکھی کیوں کہ وہاں اندھیرا تھا۔ البتہ میں اس کی آواز سن کر اُسے پہچان لوں گا۔ ہاں اُس آدمی کو ہم نے اچھی طرح دیکھا ہے جو پستول لے کر مکان میں داخل ہوا تھا۔ وہ ہمارے قریب سے ہی گزرا تھا۔ ہم اُسے پہچان لیں گے۔

"بس اتنا کافی ہے، آؤ ہمارے ساتھ چلو"! سکندر نے کہا اور ایک سپاہی کو اشارہ کرکے کہا جیپ نکالو اور دس سپاہیوں کو ساتھ لے کر ہمارے ساتھ چلو۔"

" تھوڑی دیر بعد وہ اس ویران مکان تک پہنچ گئے، جہاں سکندر اُس کے ساتھی سپاہیوں نے پرویز اور مجی کے بتانے پر وہ الماری بھی دیکھی جس میں وہ دونوں چھپے تھے اور اس کمرے کو بھی دیکھا جس میں سے انھوں نے دونوں جاسوسوں کی باتیں سنی تھیں اُنھیں وہ جاسوس تو وہاں نہیں ملے لیکن ایسے نشانات مل گئے جن سے سکندر اور اس کے ساتھی سپاہیوں کو یقین آگیا کہ پرویز اور مجی جھوٹ نہیں بول رہے ہیں مثلاً الماری کے اندر جمی ہوئی دھول پر پرویز اور مجی کے پیروں کے نشانات بھی نظر آگئے۔ اور کمروں میں کچھ پھٹے ہوئے کاغذ اور سگریٹوں کے ٹکڑے مل گئے، جس سے سکندر نے سمجھ لیا کہ ان کمروں میں تھوڑی دیر پہلے کوئی موجود تھا۔

واپسی میں سکندر نے مجی اور پرویز کو ان کے گھروں پر چھوڑ دیا لیکن ساتھ ہی ہدایت بھی کر دی کہ اسکول جاتے وقت یا وہاں سے واپسی میں اگر انھیں وہ پستول والا کہیں نظر آجائے یا کسی آدمی کی آواز پر اُنھیں ہیڈ فون والے کا شبہ ہو تو پہلے بڑی احتیاط سے اس کا پیچھا کریں اور کوئی بھی پولیس والا اُنھیں نظر آجائے تو اُسے بتا دیں کہ وہ کون سا آدمی ہے۔ سکندر نے دونوں کو ایک ایک کارڈ بھی دیا جس پر ایک خاص نشان چھپا ہوا تھا۔ اُس نے بتایا کہ یہ کارڈ دیکھتے ہی پولیس کا ہر آدمی ان کی بات سُنے گا لیکن یہ ہدایت بھی کی کہ یہ کارڈ ہر کسی شخص کو نہ دکھایا جائے۔

اس واقعے کو کئی دن گزر گئے پرویز اور مجی روز اسکول جاتے۔ فرصت کے اوقات میں وہ تفریح کرنے بھی نکل جاتے راستے میں وہ ہر وقت خاص طور پر خیال رکھتے کہ اُن میں سے کوئی آدمی اُنھیں نظر آجائے۔ لیکن اُنھیں اُن دونوں میں سے کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ دوسرے تیسرے دن سکندر بھی اُن سے ملنے آتا لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ کافی دن گزرنے کے بعد بھی پرویز اور مجی کو کوئی جاسوس نظر نہیں آیا تو اُس نے سوچا کہ یہ دونوں لڑکے اب اُن جاسوسوں کو بھول چکے ہیں۔ اب انھیں جاسوسوں کے معاملے میں شامل رکھنا ٹھیک نہیں ہے، اس لیے اُس نے دونوں سے اپنے دیئے ہوئے کارڈ واپس لے لیے۔ اور اُنھیں ہدایت کی کہ وہ اب اس معاملے کو بھول جائیں۔

پرویز اور مجی نے کارڈ تو واپس کر دیے لیکن وہ جاسوسوں کا قصّہ بھولے نہیں۔ جہاں کہیں جاتے وہ اُن جاسوسوں کا خیال رکھتے۔ کچھ دنوں کے بعد اُن کے شہر میں ایک نمائش لگی۔ وہ دونوں بھی یہ نمائش دیکھنے تقریباً روز آنہ ہی جاتے تھے۔ ایک دن انھوں نے نمائش میں ایک خیمہ لگا دیکھا۔ یہ خیمہ پچھلے روز نہیں تھا۔ اس خیمے کے سامنے دو بلیوں پر ایک بورڈ لگا تھا۔ پروفیسر راز ۔ آپ کو مستقبل کا حال بتائیں گے۔ آپ کی پریشانی دور کریں گے، فیس صرف ایک روپیہ۔

بورڈ پڑھ کر پرویز اور مجی چونک گئے، کیوں کہ ویران مکان میں ہیڈ فون والے آدمی نے اپنے دوسرے ساتھی سے پروفیسر راز ہی کا نام لیا تھا۔ دونوں نے آپس میں مشورہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ انھیں فوراً پولیس کو اطلاع دینی چاہیے۔ چناں چہ وہ نمائش کے دروازے پر پہنچے جہاں کئی پولیس والے موجود تھے۔ لیکن اُن کے پاس اب چوں کہ سکندر کا دیا ہوا کارڈ نہیں تھا اس لیے کسی نے ان کی بات نہیں سُنی۔ آخر مجبور ہو کر وہ خیمہ کے پاس واپس لوٹ آئے۔ خیمے کے قریب ہی ایک ٹرک کھڑا ہوا تھا جو کسی دوسرے اسٹال کا سامان اُتار کر اب جانے ہی والا تھا اس

ٹرک کو دیکھ کر پرویز کو ایک ترکیب سوجھ گئی۔ اُس نے مجی سے کہا۔

"یہ ٹرک بس اب چلنے ہی والا ہے۔ اس پر سامان باندھنے کے رستے موجود ہیں۔ میں ان سے خیمے کے رستے باندھ دیتا ہوں۔ جب ٹرک چلے گا تو خیمہ گر پڑے گا۔ اسی طرح ہم پروفیسر راز کو روک سکتے ہیں ورنہ وہ اس مرتبہ غائب ہوگیا تو پھر ہاتھ نہیں آئے گا تم اتنی دیر میں کسی بھی طرح پولیس والوں کو یہاں لے آؤ۔"

مجی کو یہ ترکیب سمجھا کر پرویز تو ٹرک کے رسّوں سے خیمے کی رسّیاں باندھنے لگا اور مجی پولیس والوں کو بلانے کے لیے چل دیا۔ پرویز ایک رسّی تو خیمے سے باندھ چکا تھا دوسری رسی باندھ ہی رہا تھا کہ پروفیسر راز کے ایک ساتھی نے اُسے دیکھ لیا اور لپک کر اُسے پکڑ لیا۔ لیکن اتنی دیر میں دوسری رسّی بھی بندھ چکی تھی۔ خیمے کے پچھلی طرف اندھیرا تھا اس لیے پروفیسر کا ساتھی یہ اندازہ نہ کرسکا کہ پرویز وہاں کیا کر رہا تھا۔ ادھر مجی نے پہلے تو پولیس والوں کی خوشامد کی کہ وہ اُس کے ساتھ چلیں لیکن جب کسی نے اُس کی بات پر توجہ نہیں دی تو مجی کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی اُس نے قریب سے گیلی مٹی اٹھا کر پولیس والے پر پھینک دی اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ اس شرارت پر سپاہی اُسے پکڑنے کے لیے دوڑے گا اور پرویز اُسے کسی طرح خیمے کی طرف لے آئے گا لیکن اتفاق سے اس کا نشانہ خطا ہوگیا اور کیچڑ پولیس والے کے بجائے ایک دوسرے آدمی پر گرا جو سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس آدمی کے کپڑے خراب ہوگئے تو اس نے شور مچا دیا اور اور مجی کو پکڑنے کے لیے دوڑا۔ یہ حرکت سپاہی نے بھی دیکھ لی تھی اس لیے وہ بھی ایک شریر لڑکے کو پکڑنے کے لیے دوڑا۔ مجی ادھر اُدھر مڑتا۔ آدمیوں سے ٹکراتا سیدھا خیمے کی طرف بھاگا۔ سپاہی اور سفید کپڑوں والا آدمی اس کے پیچھے ہی تھے۔ خیمے کے پاس پہنچ کر مجی نے رفتار سست کردی۔ اب سپاہی اُسے پکڑنے ہی والا تھا کہ ایک اور ہنگامہ کھڑا ہوگیا یعنی وہ ٹرک چل پڑا، جس سے پرویز نے خیمہ باندھ رکھا تھا۔ اس طرح خیمہ گر پڑا۔ پوری نمائش میں ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ اسی وقت اتفاق سے سکندر بھی اپنی ڈیوٹی پر وہاں پہنچ گیا۔ اُسے دیکھتے ہی مجی نے جلدی جلدی تمام کہانی سنادی۔ پھر تو پولیس نے پروفیسر راز اور جاسوسوں کی پوری ٹولی کو پکڑ لیا۔ پرویز کو اُن کے قبضے سے آزاد کرالیا گیا۔ بعد میں اس کارنامے پر پرویز اور مجی کو پولیس اور حکومت کی طرف سے بہت سا انعام بھی ملا۔

MUSLIM
INSURANCE
ATLAS GROUP COMPANY

بے فکری کا ذمہ
مسلم کا بیمہ

ترقی شعار انتظامیہ
روشن خیال پالیسی
بلاتاخیر خدمت

جنرل انشورنس کی تمام ضروریات کے لئے
قابل اعتماد

مسلم انشورنس کمپنی لمیٹڈ

ہیڈ آفس:- بینک اسکوائر، پی۔او۔بکس نمبر ۱۲۱۹، شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔ فون:- ۶۳۱۷۹ پی اے بی ایکس:- ۵۸۶۵۶-۵۷، ۵۵۷۵۰

پاکستان بھر میں شاخیں

adcom cp-4-R

راز

انور شعور

جتنے اچھے کام ہوئے ہیں
دنیا بھر میں عام ہوئے ہیں

ہم بھی اچھے کام کریں گے
دنیا بھر میں نام کریں گے

دَور نیا ہے، طور نئے ہیں
ہم پہلے سے اور نئے ہیں

رہتا ہے ہر لمحے بھیا
گردش میں تاریخ کا پہیّا

اس کے ساتھ جو چل سکتا ہے
گِردوپیش بدل سکتا ہے

امرت ہے محنت کا پسینا
کام ترقّی کا ہے زینا

کہتا ہے قسمت کا توتا
بے عَملی سے کچھ نہیں ہوتا

سُستی، کاہلی اور بے کاری
محتاجی ذلّت اور خواری

زندہ رہنے کو ہے ضروری
کام سے رغبت پوری پوری

رازِ خوش حالی و مسرّت
محنت محنت محنت محنت

لفظوں کے مزدور کی باتیں
کام آئیں گی شعورؔ کی باتیں

بستر پر پیشاب

س : میری عمر ۱۳ سال ہے۔ بعض اوقات سوتے میں بستر پر پیشاب کر دیتا ہوں جس کی وجہ سے سب کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلے تو بستر پر پیشاب بہت کم کرتا تھا، مگر اب کوئی دن ہی ایسا جاتا ہے جس میں بستر پر پیشاب نہ کروں، مہربانی کر کے علاج تجویز فرمائیں۔

عزیز الرحمٰن کراچی

ج : بستر پر پیشاب کرنا (بول فی الفراش) بڑی حد تک ایک ذہنی کیفیت ہے۔ اِس کو ایک عادتِ بد کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اگر انسان کا ذہن کم زور ہو اور دماغ کسی وجہ سے ضعیف ہو تو بھی یہ بستر گیلا کر دینے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ ذرا آپ صحیح معنی میں شرمندہ ہو کر تو دیکھیے۔ اگر دل سے آپ شرما گئے تو شاید یہ "مرض" رفع ہو جائے۔ چلیے دوا بھی کھا لیجیے: صبح ۶ گرام خمیرہ ہمدرد اور رات سوتے وقت معجون کندر ۶ گرام ۱۵ - ۲۰ دِن یہ دوا کھا لیجیے۔

مُٹاپا

س: میری عمر ۱۴ سال ہے۔ میرا مُٹاپا بڑھ گیا ہے۔ از راہِ کرم کوئی علاج بتائیے۔

سید فرحان ہاشمی، کراچی

ج: بچپن ہر لحاظ سے ایک نازک زمانہ ہوتا ہے۔ جو مائیں اپنے بچّوں کو مُتوازن غذائیں دیتی ہیں وہ اپنے بچّوں کو بہت سے مسائل سے محفوظ و مامون رکھتی ہیں۔ بچّے خود بھی توازن اور اعتدال کے عادی ہو جاتے ہیں اور ماؤں کی احتیاط اچھے بُرے کی تمیز انھیں

سکھا دیتی ہے ۔ شاید ہوا یہ ہے کہ آپ نے اعتدال کا خیال نہیں رکھا، جسم کی ضرورت سے زیادہ کھایا، ورزش نہیں کی، سُست رہے، چُستی کی عادت نہیں ڈالی۔ گویا انجن میں تیل ڈالتے رہے، انجن چلایا نہیں، ٹنکی بھر گئی، چربی جمع ہو گئی۔ اب ظاہر ہے کہ اس کا علاج کم خوری اور ورزش ہے ۔ دوا اس کی کوئی نہیں، پوری قوم کو چاہیے کہ ایک ناشتا کرے اور ایک کھانا کھائے ۔ دوپہر کا کھانا ترک کر دے، امراض کم ہو جائیں گے ۔ کاہلی ختم ہو جائے گی ۔ ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ اس کے نتیجے میں جو غذا بچے گی وہ اُن کے کام آئے گی جن کو غذا میسر نہیں ہے ۔

شکر کی بیماری

س : میری والدہ کو شکر کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے اُن کے پیروں میں ہر وقت درد رہتا ہے۔
خان زادہ حمیدہ سمیع ، نوشہرو فیروز

ج : شکر کی بیماری (ذیابیطس) کا اب تک کوئی علاج معلوم نہیں ہوا ہے۔ بس جب یہ مرض ہو جائے تو پرہیز ہی اس کا علاج ہے ۔ وہ تمام ترکاریاں، سبزیاں کہ جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں کھانی بند کر دیں۔ شکر کا استعمال نہیں ہونا چاہیے ۔ گوشت، دودھ، دہی پر توجہ زیادہ ہونی چاہیے۔ چنے کے آٹے (بیسن) کی روٹی اس بیماری میں اچھی غذا ہے ۔ پرہیز سے یہ بیماری قابو میں رہتی ہے اور بڑھتی نہیں ۔

گھٹنوں کا درد

س : میری پھوپی جان کے گھٹنوں میں بہت سخت درد رہتا ہے ۔ وہ ذرا بھی کہیں دُور یا نزدیک چل کر جائیں تو اُن کے گھٹنوں میں درد شروع ہو جاتا ہے ۔ بہت علاج کروایا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اُن کی عمر پچاس سال ہے ۔
بلال محمد، راولپنڈی

ج : یہ وجع المفاصل (وجع = درد – مفاصل = جوڑ) ہے جب یہ بڑھ جائے تو علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کو آپ ہمدرد مطلب، ہمدرد مرکز، مری روڈ، راولپنڈی لے جائیے ۔ وہاں حکیم صاحب اُن کے لیے مناسب علاج تجویز کر دیں گے ۔ ہاں ان کو گوشت کم سے کم کھانا چاہیے اور بڑا گوشت تو بالکل نہیں کھانا چاہیے ۔ پانی زیادہ سے زیادہ پینا چاہیے ۔

کم زور دماغ

س: میری عمر ۱۶ سال ہے اور میرا دماغ نہایت کمزور ہے۔ کوئی ایسی دوا یا ایسا نسخہ بتایئے جس سے میرا دماغ تیز ہو جائے۔ محمد اشتیاق احمد، حیدر آباد

ج: طبّ قدیم کے سارے اُصول آج صحیح اور صادق تسلیم کیے جا رہے ہیں۔ ہماری غلامی کے دور میں طبّ کی ہر چیز غلط تھی۔ اب ہم آزاد ہیں۔ ہم نے اپنی طب کو سچّا ثابت کر دیا ہے۔ دُنیا نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ مغزِ بادام دماغ اور ذہن کو طاقت دینے والی شے ہے۔ یہ طب کا مسلّمہ تھا۔ اب جدید طب نے طب کی یہ بات تسلیم کر لی ہے۔ بادام دماغ کو قوی اور ذہن کو تیز کرتے ہیں۔ رات ۱۲ - ۱۵ دانے بادام بھگو دیں، صبح دانتوں سے چبا کر کھائیں یا باریک پیس کر دودھ میں ملا کر پیئں۔ جس قدر باریک پیسیں گے اتنے ہی اُس کے ایٹم آزاد ہوں گے اور زیادہ فائدہ ہو گا۔

چھالیا کے نقصانات

س: چھالیا کھانے سے کیا کیا نقصانات ہوتے ہیں؟ علی محمد ابراہیم، کراچی

ج: چھالیا پاکستان میں پیدا نہیں ہوتی، پاکستان واقعی غریب ملک ہے۔ یہاں کے لوگوں کو چاہیے کہ جو چیزیں ان کے اپنے ملک میں نہ ہوں اُن کا استعمال وہ فوراً ترک کر دیں، پاکستان سے محبت کا یہی تقاضا ہے۔ ہم غیر ضروری چیزیں کھاتے ہیں اور اس عیش کے لیے اپنا سرمایہ ملک سے باہر بھیج دیتے ہیں اور اپنی غربت میں اضافہ کرتے ہیں۔ چاے کے بارے میں بھی میری رائے یہی ہے۔ ہمیں پاکستان سے محبت کرنی چاہیے، کیونکہ یہاں ہم آزاد ہیں۔ آزادی کی قدر کرنی چاہیے۔ اگر ہم اپنی غلط عادتوں (چھالیا کھانا، پان کھانا، چاے پینا) کے غلام ہو گئے تو پھر ہمیں اپنی آزادی کھو کر غلامی قبول کرنی پڑ جائے گی۔

چھالیا کا صحتِ جسمِ انسانی کے لیے کوئی مقام نہیں ہے ہاں یہ بعض امراض کی دوا ہے دوا کے طور پر اس کا استعمال جائز ہو سکتا ہے۔

تحفے

مُسکراتے جُملے — عظیم اقوال — انوکھے نکتے — دل چسپ تحریریں

ثواب

مرسلہ: ثمین اطہر، کراچی

ایک دفعہ حضورؐ صحابہ کرامؓ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے۔ بعض کا روزہ تھا، بعض کا روزہ نہیں تھا۔ راستے میں ایک ریگستان پڑا۔ حضورؐ نے وہاں پر قیام فرمایا۔ جن کا روزہ تھا وہ بے دَم ہو کر گر پڑے۔ بے روزہ داروں نے اونٹوں کو چارہ دیا اور خیمے لگائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"آج بے روزہ دار روزہ داروں پر سبقت لے گئے۔"

اپنی مدد آپ

مرسلہ: ریشماں امیر غوری، کراچی

"خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔" اس چھوٹے سے فقرے میں انسانوں کا، قوموں کا اور نسلوں کا پورا تجربہ موجود ہے۔ دراصل ایک شخص میں اپنی مدد آپ کرنے کا جوش و جذبہ اس کی سچّی ترقّی کی بنیاد ہے۔ اگر یہی جوش بہت سے لوگوں میں پایا جائے تو وہ ترقی، قومی ترقی، قومی طاقت اور قومی مضبوطی کی جڑ ہے۔ میرا ہر مسلمان کے لیے مشورہ ہے کہ وہ شخصی اصلاح اور شخصی ترقی کی طرف توجہ دیں اور قوم کی سچّی ہمدردی اور خیر خواہی کریں تاکہ مسلمان ایک معزز قوم بن جائیں۔

— سر سید احمد خاں

دوٹروں کی محبّت

مرسلہ: فوزیہ جیلانی قریشی، کراچی

ایک گاؤں کے چودھری قومی اسمبلی کے لیے انتخاب میں کھڑے ہوئے۔ نتیجہ آیا تو ان کی ضمانت ضبط ہو چکی تھی۔ کچھ عرصے بعد وہ ایک دعوت میں دوسرے گاؤں گئے۔ وہاں لوگوں نے پوچھا کہ "آپ انتخابات میں کھڑے ہوئے تھے، کیا ہوا؟"

چودھری صاحب نے جواب دیا، "میرے گاؤں کے لوگ مجھ سے بے حد محبّت کرتے ہیں۔ انھوں نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں قومی اسمبلی کا رُکن منتخب ہو کر ان سے دُور — اسلام آباد چلا جاؤں۔"

جھوٹے سپنے

مرسلہ: فریدہ علی، کراچی

ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ اس کرۂ ارض پر سب انسان امیر ہو گئے ہیں یعنی سب نے مل کر ایک دوسرے کی امیری بانٹ لی ہے۔ وہ ایک جھُوٹا سپنا تھا، لیکن یہ جھوٹے سپنے مجھے سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ یہی میرا گھر، یہی میری محبّت، میری زندگی اور

اس کا حامل ہیں۔ میں ہر گز ہر گز کوئی بڑا آدمی نہیں ہوں، میری کُل کائنات یہ چھوٹے سپنے ہیں۔

—— کرشن چندر

ماضی، حال اور مستقبل

مرسلہ: سائرہ سحر، کراچی

ماضی نے چپکے سے کہا، "تُو مجھے یاد کر، میں تیری زندگی بنادوں گا۔ تو مجھے دیکھتے ہوئے راہ چل، زندگی گزار۔"

حال نے رعب دار آواز میں کہا، "تُو ماضی و مستقبل کو چھوڑ کر یہ دیکھ کہ تُو آج کیا ہے اور کیا بننا چاہتا ہے۔ یہ مت سوچ کہ تُو کل کیا تھا اور کیا بنے گا۔ تُو آج کی سوچ صرف آج کی۔"

"مستقبل نے زور دیا کہ تُو یہ نہ خیال کر کہ تُو آج کیا ہے۔ آج کی زندگی تو گزر ہی جائے گی۔ تُو کل کی سوچ اور ایسا عمل کر کہ میں تیرے لیے روشن بن جاؤں۔"

عقل نے الجھنوں کو طے کرتے ہوئے کہا، "اے انسان، تو تینوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے زندگی گزار۔"

درخت نہیں درکت

مرسلہ: رضی الدین خاں، کراچی

میں اردو میں اعلا درجے کا امتحان دینے یہاں سے لاہور گیا۔ تحریری امتحان کے علاوہ مجھے میر امّن کی "باغ و بہار" سے ایک عبارت پڑھنے کو دی گئی۔ یہ کتاب ان دنوں نصاب میں شامل تھی۔ عبارت میں لفظ درخت آیا تو میں نے اُس کا درست تلفظ ادا کیا۔ ممتحن ایک انگریز میجر تھا اس نے تلفظ دہرانے کو کہا۔ میں نے دوبارہ "درخت" کہا تو اس نے اپنی دانست میں تصحیح کرتے ہوئے کہا، "اسے درکت پڑھو"۔ مجھے امتحان پاس کرنا تھا، اس لیے درکت ہی کہہ دیا اور پھر میں پاس بھی ہوگیا، تاہم مجھے حسبِ خواہش پنجاب پولیس میں جگہ نہ ملی، کیوں کہ میں کم عمر تھا۔

—— جی ای سی ویکفیڈ

یہ والدین

مرسلہ: مصباح ناز اور جلیلہ نوشین، گجرات

ابتدائی جماعت میں پڑھنے والے بچّوں سے کہا گیا کہ وہ "والدین" پر مضمون لکھیں۔ ایک چھوٹی بچّی نے لکھا، "جب ہمیں والدین ملتے ہیں تو اُن کی عمر کافی ہو چکی ہوتی ہے، اس لیے اُن کی عادتیں تبدیل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔"

حکایت

مرسلہ: فضل ربی راہی، مینگورہ

ایک شخص کو معلوم ہوا کہ فلاں طبیب شہر میں بڑا حاذق مشہور ہے، اس کی تشخیص اور لیاقت کا امتحان لیجیے۔ ایک شیشے میں بھینس کا قارورہ لے کر طبیب کو دکھایا اور درخواست کی کہ اس مریض کے واسطے کوئی نسخہ تجویز کیا جائے۔ طبیب نے قارورہ بہ غور دیکھا تو انسان کے قارورہ کی کوئی علامت اس میں نہ پائی۔ سمجھا ہو نہ ہو بھینس کا قارورہ ہے۔ طبیب نے یہ نسخہ

لکھ دیا:

دو دھڑی بھُس۔ سیر بھر کھلی اور بنولے سانی کر کے بیمار کو کھلائیں۔ اوپر سے دو نال کڑوا تیل پلائیں۔ ــــــ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

مطالعہ

مرسلہ: نور فاطمہ، حیدر آباد

جس طرح ڈرائنگ روم کو آراستہ رکھنے کے لیے اس کی جھاڑ پونچھ ضروری سمجھی جاتی ہے اسی طرح شخصیت کی گرد اُتارنے کے لیے کتاب کا مطالعہ ایک انسانی ضرورت ہے۔ شاعری آپ کو لطافت سے آشنا کرتی ہے۔ علوم ریاضی سے باریک بینی اور ژرف نگہی پیدا ہوتی ہے۔ فلسفہ گہرائی میں اُترنے کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ علوم عمرانیات حلیم اور بُردبار بناتے ہیں۔ منطق نکتہ شناسی کا اور انشا قناعت کا راستہ دکھاتی ہے۔ عقل کی قوت بہ ظاہر خودکار ہے اور اس کے سامنے کسی قسم کی مزاحمت نہیں تاہم جس طرح مختلف ورزشوں سے جسمانی آزار درست کیے جاتے ہیں، اسی طرح مناسب اور موزوں مطالعے سے عقل کی تربیت بھی کی جا سکتی ہے۔ ــــــ ڈاکٹر انور سدید

انسان کی عظمت

مرسلہ: گمنام خیالی، کراچی

آدمی جتنا بڑا ہوتا ہے اتنا ہی جُھکتا ہے۔ وہ لوگوں سے اس طرح ملتا ہے جیسے وہ سب سے چھوٹا ہو۔ جب درخت میں پھل نہیں ہوتے تو اس کی شاخیں سیدھی اور اونچی ہوتی ہیں، لیکن جب درخت میں پھل آجاتے ہیں تو وہ اُن کے بوجھ سے جُھک جاتا ہے۔ گویا جب وہ بے پھل تھا تو تنا ہوا، اکڑا ہوا تھا، لیکن جب اس میں پھل آجاتے ہیں تو وہ اُن کے بوجھ سے جُھک جاتا ہے۔ یہی مثال انسانوں کی ہے جب اُن میں کوئی خوبی، کوئی کمال نہیں ہوتا تو وہ اکڑتے ہیں، اپنی بڑائی کرتے ہیں، لیکن جب وہ پھل دار ہو جاتے ہیں یعنی علم میں، ہنر میں، دولت میں، عزت میں اونچے ہو جاتے ہیں تو وہ جھکنے لگتے ہیں۔ لوگوں سے انکسار سے ملتے ہیں، اخلاق سے پیش آتے ہیں، اپنی بڑائی نہیں جتاتے، دوسروں کو حقیر نہیں جانتے، اُن کو حقیر الفاظ سے یاد نہیں کرتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ اُن کو اطمینان ہوتا ہے کہ اُن میں جو خوبی ہے، جو کمال ہے وہی ان کی بڑائی کا باعث ہے۔ کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اُن کی عظمت میں کمی نہیں ہوگی۔

ــــــ حکیم محمد سعید

سمجھنے کی بات

مرسلہ: ابنِ شہباز خان، کراچی

عہدِ عباسی میں ایک دن ایسا گزرا ہے، جب دولت ٹھیکریوں کی طرح لٹائی گئی۔ اس دن خلیفہ مامون نے اپنے بھائی المعتصم کو مغربی صوبوں کی گورنری بخشی اور پانچ لاکھ دینار دیے۔ اسی دن مامون نے اپنے بیٹے عباس کو عرب اور بازنطینہ کی سرحدوں کی نگہداشت پر متعین کیا اور اسے بھی پانچ لاکھ دینار دیے۔ اسی

دن مامون نے عبداللہ بن طاہر کو حیال کا گورنر بنایا اور اسے بابک خرمی کے خلاف جنگ کا حکم دیا اور تین لاکھ دینار عطا کیے۔ اُسی دن اس نے اپنے چند فوجی سرداروں میں سات لاکھ دینار تقسیم کیے۔

وہی مامون جب مرا تو کسی کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ اس کی لاش کی طرف توجہ دیتا، کیوں کہ ہر شخص نئے خلیفہ کی جی حضوری میں لگا ہوا تھا۔ شاہی محل میں اس کے کفن تک کے لیے کپڑا نہیں تھا۔ مجبوراً کسی شخص نے اسے اپنا عمامہ اُڑھا دیا۔

کرنیں

مرسلہ: ناصرہ فیضی، اسلام آباد

○ جس طرح کھولتے ہوئے پانی میں انسان کا عکس دکھائی نہیں دیتا، اسی طرح انسان غصّے میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اس کی بھلائی کس میں ہے۔

○ غرور اور تکبّر سے پرہیز کرو۔ غرور کی چال سے نہ تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور نہ پہاڑوں سے اونچے ہو سکتے ہو۔

○ تعلیم انسان کو بولنا تو سکھا دیتی ہے، لیکن یہ نہیں سکھاتی کہ کب اور کتنی دیر بعد بولنا ہے۔

○ عمدہ چیز کو حاصل کر لینا کوئی خوبی نہیں، لیکن خوبی یہ ہے کہ اسے عمدہ طریقے سے استعمال کیا جائے۔

○ سورج کی روشنی میں کائنات کے بلند و پست نظر آتے ہیں اور علم کی روشنی میں زندگی کے بلند و پست نظر آتے ہیں۔

عادتیں ابتدا میں کچّے دھاگے کی مانند ہوتی ہیں، لیکن بعد میں وہ لوہے کے تاروں کی مانند ہو جاتی ہیں، جن میں انسان کی شخصیت محصور ہو کر رہ جاتی ہے۔

محبّت، غربت، جہالت

مرسلہ: امیت، اکورنگی

■ زندگی وہ پانی کا قطرہ ہے جو ریت پر گر کر جذب ہو جاتا ہے۔

■ دوست اُس جذبے کا نام ہے جو محبّت سے بھرپور ہوتا ہے۔

■ غربت انقلاب اور جُرم کی آواز ہے۔

■ محبّت زندگی کی بنیاد ہے۔

■ علم جہالت کے خلاف ترقی کی آواز ہے۔

ڈاکٹر نشتر

مرسلہ: رٹیسہ کوثر، کراچی

آپریشن کے خیال سے لرزاں مریض آپریشن تھیٹر جاتے وقت ایک بار پھر اپنے ڈاکٹر کا نام بھول گیا۔ اس نے لرزتی آواز میں اسٹریچر پر لیٹے لیٹے نرس سے پوچھا کہ "جو ڈاکٹر میرا آپریشن کرنے والے ہیں ان کا نام کیا ہے؟"

نرس نے جواب دیا، "نام تو ان کا ڈاکٹر اختر ہے، لیکن وہ اس قدر آپریشن کر چکے ہیں کہ ہم لوگ انھیں ڈاکٹر نشتر کہہ کر پکارتے ہیں۔"

سدا بہار قصّے

ایک بادشاہ کی ندامت

سلطان علاؤ الدین بہمنی نے ۸۶۲ھ (۱۴۵۷ء) میں اپنی موت سے کچھ مدت پہلے ایک روز مسجد میں جا کر جمعہ کا خطبہ پڑھا۔ جب اس نے اپنے نام کے ساتھ لفظ عادل استعمال کیا تو جماعت میں سے ایک عرب تاجر اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس سے سلطان نے گھوڑے خریدے تھے، لیکن اس وقت تک پوری قیمت ادا نہیں کی تھی۔ عرب تاجر نے کہا، "اے بادشاہ! جب تو عدل نہیں کرتا تو پھر اپنے آپ کو عادل کیوں کہتا ہے۔ تُو نے سادات کو بے دریغ قتل کرایا ہے۔ مجھ سے گھوڑے خریدے ہیں، لیکن میرا حق ادا نہیں کیا ہے؟ کیا تمھیں یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو عادل کہو؟"

بھری مسجد میں بادشاہ کے آنسو نکل آئے، گھوڑوں کا حساب چکایا۔ سادات کے قتل پر اپنے رنج کا اظہار کیا اور کہا جاتا ہے کہ وہ ندامت کے مارے اس دن سے لے کر اپنی موت تک محل سے باہر نہیں نکلا۔

پیچھے آنے والے پیچھے رہنے کے مستحق ہیں

ایک بار سردارانِ قریش حضرت عمرؓ کی ملاقات کو آئے، لیکن حضرت عمرؓ نے اُن سے پہلے حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت عمارؓ کو شرفِ ملاقات بخشا۔ یہ سب کے سب آزاد کردہ غلام تھے۔ سردارانِ قریش کو اپنے مرتبے پر بڑا فخر تھا۔ انھیں یہ بات ناگوار گزری کہ اُن پر غلاموں کو ترجیح دی گئی۔

آخر انھی میں سے ایک حق شناس سردار نے انھیں سمجھایا، "بھائیو! اسلام نے تو سب کو ایک ساتھ دعوت دی تھی۔ جو پہلے گئے اُن کا حق پہلے ہے اور جو پیچھے گئے وہ پیچھے رہنے کے مستحق ہیں۔"

سحر کا ترانہ

عابد رضا ارتقائی

نسیمِ سحر نے شجر سے کہا
گھنی ڈالیوں میں بناؤ جگہ
ہٹو سامنے سے کہ آتی ہوں میں
سحر کا ترانہ سُناتی ہوں میں
وہ مشرق سے دیکھو اندھیرا چھٹا
وہ دیکھو ہٹی ایک کالی گھٹا
پرندے تھے جو گھونسلوں میں اُٹھے
وہ شکر اپنے رب کا ادا کر چکے
سویرا سیاہی مٹاتا چلا
زمیں پر ہر اک سمت چھاتا چلا
درختوں کے بیچ ایک مسجد سے بھی
اذانِ سحر کی صدا گونج اُٹھی
اُٹھو نوجوانو! کہ آئی سحر
نگاہوں میں اپنی سمائی سحر

بڑا تحفہ

میرا نام عدیل ہے۔ میری عمر صرف سات سال ہے۔ میری ایک چھوٹی بہن بھی ہے، جسے ہم سب پیار سے ببلی کہتے ہیں۔ مجھ جیسی چھوٹی عمر کے بچّے کی ایک چھوٹی بہن بھی ہو اور بہن شریر بھی ہو تو بڑے بھائی کی شامت آجاتی ہے۔ آج میں آپ کو یہی بتانا چاہتا ہوں کہ چھوٹی شریر بہنوں کی وجہ سے ہم

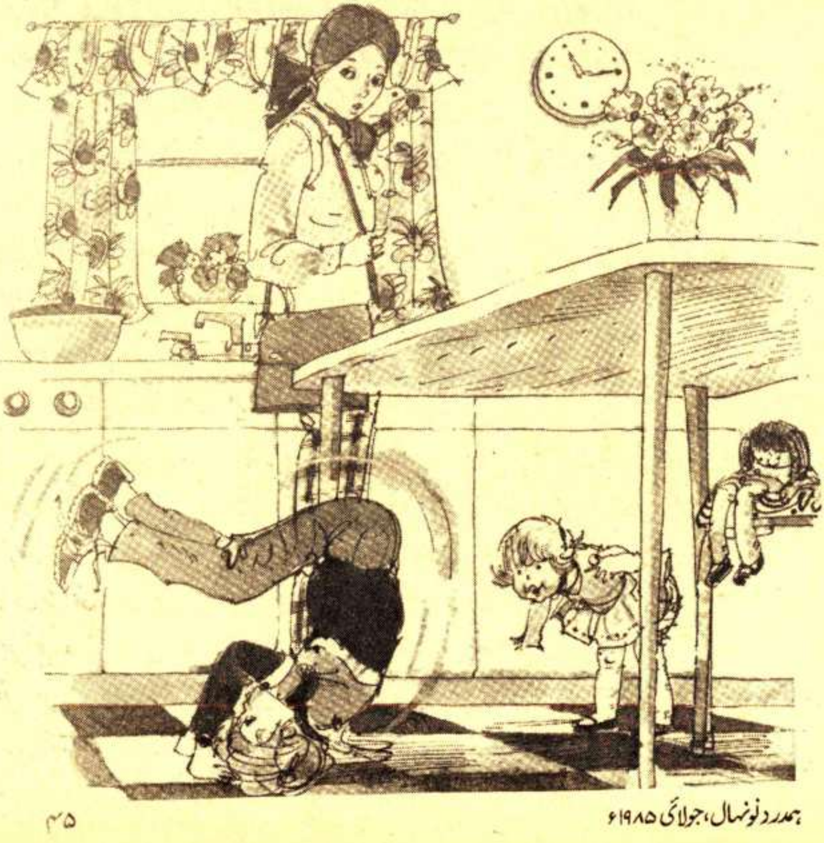

بچّوں پر کیسی کیسی مصیبتیں ٹوٹتی ہیں۔ اس میں، میں کوئی بات آپ سے نہیں چھپاؤں گا۔

ابھی کل ہی کی بات ہے کہ امّی نے صبح صبح ناشتے کے بعد بتایا کہ آج ابّو کی سال گرہ ہے اور امّی ابّو کے لیے کوئی تحفہ خریدنا چاہتی ہیں۔ میرے اسکول میں چھٹیاں ہیں، اس لیے میں گھر پر ہی تھا۔ امّی کا حکم ہوا کہ میں اُن کے ساتھ چلوں گا، کیوں کہ ببلی اُن کے بغیر نہیں رہے گی۔ اُسے تو اپنے ساتھ لے جانا ہوگا۔ پھر ببلی کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ تحفہ خریدنا بہت مشکل کام ہوگا۔ میں ساتھ رہوں گا تو میرا کام ببلی کو سنبھالنا ہوگا۔ امّی تحفہ خریدیں گی۔

بازار ہمارے گھر سے زیادہ دُور نہیں تھا۔ لیکن مجھے پھر بھی خوشی تھی کہ مجھے بازار گھومنے کا موقع مل رہا ہے۔ اس خوشی میں یہ بھی بھول گیا کہ ببلی جیسی شریر بچّی کو سنبھالنا کتنا مشکل کام ہے۔ امّی بازار جانے کے لیے گھر کا کام جلدی جلدی نمٹانے میں لگی ہوئی تھیں اور میں خوشی سے گھر بھر میں اُچھلتا کودتا پھر رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ جس کی سالگرہ منائی جاتی ہے اُسے تحفے دیے جاتے ہیں۔ امّی بھی تو تحفہ ہی خریدنے جارہی تھیں۔ پھر میں ابّو کو تحفہ کیوں نہ دوں؟ تحفہ دینے کا خیال آیا تو مجھے پیسوں کی فکر ہوئی۔ مجھے یاد تھا کہ مجھے کھانے پینے کے لیے روز امّی جو پیسے دیتی ہیں ان میں بچت کرکے میں نے کچھ پیسے جمع کر رکھے ہیں۔ لیکن وہ کتنے تھے، یہ بات مجھے معلوم نہیں تھی۔ میں نے فوراً ہی اپنی غُلک کا رخ کیا۔ غلک مٹّی کی تو تھی ہی۔ آسانی سے ٹوٹ گئی۔ اس میں کل ساڑھے تین رُپے تھے۔ میں نے سوچا کہ اتنے پیسوں سے بھی کوئی نہ کوئی اچھی چیز تو آہی جائے گی۔ مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ تحفے کتنے رُپوں میں خریدے جاسکتے ہیں۔ میں نے پہلے کبھی ایسی کوئی چیز خریدی بھی تو نہیں تھی۔

بہرحال یہ پیسے میں نے اپنی جیب میں رکھ لیے۔ ان میں دو رُپے کے نوٹ تھے باقی پچاس پیسے اور پچیس پیسے کے سکّے تھے۔ میرے لیے یہ بہت بڑی دولت تھی۔ اسے پاکر میں اتنا خوش ہوا کہ قلابازیاں کھانے لگا۔ پھر امّی کی تلاش میں باورچی خانے میں پہنچا۔ ہمارا باورچی خانہ اچھّا خاصا بڑا تھا۔ اس میں ایک بڑی سی میز پڑی تھی، جس کے تین طرف کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کبھی کبھی ہم لوگ یہیں بیٹھ کر کھانا کھا لیتے تھے۔ امّی یہاں نہیں تھیں۔ البتہ ببلی ایک کرسی پر بیٹھی تھی۔ میں نے کچھ تو خوشی میں اور کچھ ببلی کو ہنسانے کے لیے یہاں بھی ایک قلابازی لگائی۔ ببلی صرف مُسکرادی۔ لیکن میری جیب سے پچاس پیسے کا سکّہ نکل گیا اور لڑھک کر میز کے نیچے گھس گیا۔

مجھے یہ سکّہ نکالنے کے لیے میز کے نیچے گھسنا پڑا۔ اسی وقت امّی بھی باورچی خانے میں آگئیں۔ انھوں نے اپنی تیاری مکمل کر لی تھی۔ انھوں نے آتے ہی کہا، "چلو جلدی تیاری کرو۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔"

امّی کی آواز سنتے ہی میں جلدی سے میز کے باہر نکلنے لگا۔ اس کوشش میں میرا سر میز کے تختے سے ٹکرا گیا۔ اچھا خاصا زور دار دھماکا ہوا۔ اتنی دیر میں ببلی کرسی سے اُتر چکی تھی۔ اُس نے میرا سر میز سے ٹکراتے اور مجھے اپنا سر سہلاتے دیکھا تو کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ایک تو سر پر بڑے زور کی چوٹ لگی تھی۔ اوپر سے ببلی کا ہنسنا۔ مجھے اتنا غصّہ آیا کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ ببلی کو ایک زور کا تھپڑ رسید کروں۔ لیکن امّی سامنے کھڑی تھیں۔ مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔

تیار ہو کر جب ہم تینوں باہر نکل رہے تھے تو میں نے ایک مرتبہ پھر اپنے پیسے گنے۔ اب یہ صرف تین رُپے رہ گئے تھے۔ پچیس پیسے کے دو سکّے میز کے نیچے لُڑھک گئے تھے۔ میں سوچ رہا تھا کہ یہ سب کچھ ببلی کی وجہ سے ہوا ہے۔ نہ میں اُسے خوش کرنے کے لیے قلابازی کھاتا نہ یہ پیسے گرتے۔ بہر حال اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ ببلی بچّوں کی گاڑی میں بیٹھی تھی۔ امّی اس گاڑی کو دھکیل رہی تھیں اور میں امّی کے ساتھ تھا۔ راستے میں کوئی خاص بات نہیں ہوئی اور ہم بازار پہنچ گئے۔ یہاں ہر طرف دُکانیں تھیں۔ ایک جگہ ایک دُکان پر خوب صورت مفلر ٹنگے ہوئے تھے۔ میرا جی چاہا میں ان میں سے ایک مفلر خرید لوں تاکہ شام کو ابّو کو اپنی طرف سے یہ تحفہ دے سکوں۔ میری جیب میں تین رُپے تھے۔ میرا خیال تھا کہ اتنے پیسوں میں یہ

مفلر آجائے گا۔ میں دُکان پر پہنچا اور مفلر کی قیمت پوچھی۔

"پچاس رُپے۔" دُکان دار نے کہا۔ قیمت سُن کر میری تمام خوشیوں پر پانی پھر گیا۔ میں چپ چاپ لوٹ آیا۔ قریب ہی ایک بڑا سا اسٹور تھا۔ امّی نے کہا کہ وہ تحفہ خریدنے اس اسٹور میں جا رہی ہیں، ببلی کو وہاں ساتھ نہیں لے جا سکتیں، اس لیے میں ببلی کی گاڑی دھکیل کر دُکانوں کے ساتھ ساتھ ٹہلاتا رہوں، لیکن زیادہ دُور نہ جاؤں۔ بچوں کی یہ گاڑی دھکیلنا مجھے بہت اچھا لگتا تھا، اس لیے میں خوشی خوشی ببلی کی گاڑی سنبھال لی۔

امّی اسٹور میں داخل ہوگئیں تو میں ببلی کی گاڑی لے کر آگے بڑھا۔ سامنے ایک دُکان پر ایک آدمی کھڑا ایک سفید ڈوری ہاتھ میں لیے کھڑا تھا، جو دیکھتے ہی دیکھتے سُرخ ہو جاتی تھی۔ ڈوری کا اس طرح رنگ بدلنا مجھے بہت اچھا لگا۔ یہ تو جادو کی ڈوری معلوم ہوتی تھی۔ میرا جی چاہا کہ میں اسے خرید لوں۔ ابّو کو یہ ڈوری ضرور پسند آئے گی۔ میں گاڑی دھکیلتا ہوا اس دُکاندار کے پاس پہنچا اور ڈوری کی قیمت پوچھی تو اس نے اس کی قیمت ایک رُپیہ بتائی۔ یہ مہنگی بھی نہیں تھی۔ میں نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈالا تاکہ اپنے پیسے نکال کر اُن میں سے ایک رُپیہ دُکان دار کو دے دوں۔ پیسے نکال کر میں انہیں گننے لگا، کیوں کہ میں دونوں نوٹ بچانا چاہتا تھا۔ پیسے گنتے وقت دونوں نوٹ بھی میرے ہاتھ میں تھے اُسی وقت میری نظر ببلی کی گاڑی پر پڑی تو میں یہ دیکھ کر بڑا پریشان ہوا کہ ببلی کی گاڑی خالی پڑی تھی۔ میں نے جلدی جلدی پیسے جیب میں ٹھونسے اور ببلی کو تلاش کرنے کے لیے چاروں طرف نظر ڈالی۔ میں اُس وقت بہت پریشان تھا کہ اگر ببلی کہیں کھو گئی تو پھر میری خیر نہیں۔ لیکن مجھے زیادہ دیر پریشان نہیں ہونا پڑا، کیوں کہ ببلی مُڑ مُڑ چلتی ہوئی ایک دُکان میں گھستی نظر آگئی، میں ببلی کو پکڑنے کے لیے دوڑا۔ پھر میں نے ببلی کو پکڑ ہی لیا۔ اسی وقت امّی اسٹور سے نکلیں۔ انھیں ایک رُپے کی ضرورت تھی۔ اُن کے پاس بڑے نوٹ تھے۔ انھوں نے مجھے ایک رُپیہ دینے کے لیے کہا، کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ میرے پاس پیسے ہیں۔ میں نے امّی کو دینے کے لیے پیسے نکالے تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں ایک رُپے کا صرف ایک ہی نوٹ رہ گیا ہے۔ دوسرا نوٹ شاید اس وقت گر گیا ہو گا جب میں نے ببلی کو پکڑنے کے لیے جلدی میں پیسے جیب میں ٹھونسے تھے۔ بہرحال اب میرے پاس صرف دو ہی رُپے رہ گئے تھے۔

امّی اب اسٹور سے نکل آئیں تھیں اور ہم واپس گھر جا رہے تھے۔ میں ابّو کے لیے کوئی تحفہ

نہیں خرید سکا تھا۔ راستے میں مجھے ایک فوٹوگرافر کی دُکان نظر آئی، جس پر لکھا تھا کہ دو رُپے میں تین تصویریں اُتار کر فوراً ہی تصویریں کھنچوانے والے کو دے دی جاتی ہیں۔ میں نے امّی سے اجازت لے کر اپنی تصویر کھنچوائیں۔ لیکن یہاں بھی ببلی کی شرارت نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ ہوا یہ کہ پہلی تصویر کھنچواتے وقت ببلی مجھ سے چمٹ گئی، اس کے وزن سے میں ایک طرف جُھک گیا۔ اس طرح پہلی تصویر کھنچ گئی۔ دوسری تصویر کھنچوانے کے لیے میں نے اسے الگ ہٹایا لیکن ٹھیک تصویر کھنچتے وقت وہ میری گود میں چڑھ گئی۔ یہ بات مجھے کچھ اچھی نہیں لگی اس لیے غصّے میں میرا چہرہ بگڑ گیا۔ منھ کھل گیا۔ بھنویں تن گیئں۔ غرض اس مرتبہ پھر ببلی کو الگ کیا تاکہ آخری تصویر ٹھیک ٹھاک ہو، لیکن ببلی دوبارہ 'دی'، دی'، دی کرتی ہوئی میری پیٹھ پر چڑھ گئی اور میرے بال کھینچنے لگی۔ میں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ ببلی ابھی ٹھیک طرح بول نہیں سکتی تھی۔ وہ میرا نام نہیں لے سکتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ دی'، دی'، دی کر رہی تھی۔ یعنی اس نے پہلی بار میرا نام لیا تھا۔ بال کھینچنے سے مجھے تکلیف تو ہو رہی تھی، لیکن ببلی کی زبان سے اپنا نام سُن کر خوشی بھی ہو رہی تھی۔ بہرحال تصویر اسی حالت میں کھنچ گئی۔

شام کو ابّو کی سال گرہ کے موقع پر وہ تصویریں اُنھیں دکھائی گئیں تو ابّو نے کہا:

"یہ تصویریں میرے لیے سب سے بڑا اور قیمتی تحفہ ہیں، کیوں کہ اِن میں تم دونوں کی تصویریں کسی بناوٹ کے بغیر بالکل تمھارے اصلی انداز میں آئی ہیں۔"

ابّو کا یہ جملہ سُن کر مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی۔ امّی بھی مُسکرا رہی تھیں اور ببلی — وہ تو بس' دی، دی، دی کہے جا رہی تھی، جیسے اب اُسے میرے نام کے سوا کچھ بھی یاد نہ رہا ہو۔ میرے لیے ببلی کی یہ دی' دی، دی' ہی بڑا تحفہ تھی۔ مجھے اُس وقت ببلی بڑی پیاری لگ رہی تھی۔

بوجھو تو جانیں کا صحیح جواب

(جون ۸۵ء کا جواب)

اخبار نونہال

مُنّا سا پھول

● دنیا کا سب سے چھوٹا پھول ایک قسم کی کائی پر اُگتا ہے اُسے ڈک ویڈ کہتے ہیں اور یہ ایک پن کے سرے کے برابر ہوتا ہے۔

● امریکا میں ایک بار ایک دیو قامت پرندے نے فضا میں پرواز کی، اس پرندے کے پر تقریباً ۱۲ میٹر لمبے بتائے جاتے ہیں۔ اب امریکی حکومت ایسے الیکٹرونک پرندے بنا رہی ہے ریموٹ کنٹرول سے فضا میں پرواز کریں گے۔

مرسلہ: نجمہ قریشی، ٹنڈو جام

پتّھر سے کاغذ

اب روس کے ماہرین نے ایک نئی قسم کا کاغذ تیار کیا ہے جو پتّھر سے بنایا گیا ہے۔ ماہرین کا دعوا ہے کہ یہ کاغذ عام کاغذ سے پانچ گنا مضبوط ہے اور اس پر گرمی کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔

مرسلہ: فضلِ ربّی راہی، مینگورہ

بھیڑ کی آنکھ کا کیمرا

شکاگو یونی ورسٹی کے مسٹر ریلیف پی کیریر نے بھیڑ کی آنکھ سے ایک کیمرا تیار کیا ہے۔ مسٹر کیریر بھیڑ کے مرنے سے ایک گھنٹہ پہلے اس کی آنکھ نکال لیتے ہیں اور اس کو منجمد کرنے کے بعد اس کا اوپری حصّہ چھیل ڈالتے ہیں، پھر اس آنکھ کو کیمرے کی طرح استعمال کرتے ہیں۔ اس سے بہت عمدہ تصویر کھینچی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ انسان نے کیمرے کی ایجاد آنکھ کی کارکردگی کے اصول پر ہی کی ہے۔

مرسلہ: کاشف ملک، کراچی

میں ٹیلے فون بول رہا ہوں

بعض اوقات آپ کسی دوست کو ٹیلے فون کرتے ہیں اور کوئی جواب نہیں ملتا تو لوگوں کو بڑی پریشانی ہوتی ہے، لیکن اب آپ کو یہ پریشانی نہیں ہوگی، کیوں کہ سائنس دانوں نے ایک ذہین ٹیلے فون ایجاد کیا ہے جو پیغامات رکارڈ ہی نہیں کرتا بلکہ جواب بھی دیتا ہے۔ مثلاً جب آپ ٹیلے فون کریں گے تو یہ کمپیوٹر ٹیلے فون آپ کے شناخت کرانے سے قبل ہی آپ کا نام لے کر کہے گا، ہیلو مسٹر شاہد، مسٹر اسلم گھر پر نہیں ہیں۔ کیا آپ کو ان کے نام کوئی پیغام چھوڑنا ہے۔ پیغام کے خاتمے پر بھی آپ کو آواز آئے گی کیا کوئی اور بات بھی انھیں بتانی ہے۔ یہ ٹیلے فون میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی کے سائنس دانوں نے تیار کیا ہے۔

مرسلہ: محمد اسلم راجپوت، نوشہرہ فیروز

ٹھنگنا درخت

کہا جاتا ہے کہ جاپان میں پانچ سو برس پرانا ایک درخت ہے، مگر اب تک صرف تین فیٹ اونچا ہے۔ اس درخت کا نام پلم ہے۔ مرسلہ: ایم ایس ناز، ایم این ناز، ایم اے ناز، فیصل آباد

جانوروں کا عالمی رکارڈ

آسٹریلیا میں کیلور کے مقام پر جانوروں کا عالمی ٹورنامنٹ ہر سال منعقد ہوتا ہے، اس بین الاقوامی ٹورنامنٹ میں لوگ دُور دُور سے اپنے جانور بھیجتے ہیں۔ ایک بار مینڈکوں کا اونچی چھلانگ لگانے کا مقابلہ ہوا۔ اس مقابلے میں تیس مینڈک شریک ہوئے۔ ہوائی کا ایک مینڈک جس کا نام سائنڈوین چہارم تھا، اس مقابلے میں اوّل آیا۔ اس نے ۷ افیٹ اونچی چھلانگ لگائی اور عالمی اعزاز حاصل کیا۔ اس کے مالک کو بے شمار تحفے اور رقم بھی پیش کی گئی۔

آدمی یا توپ کا گولا

امریکا کے گارڈن انٹرنیشنل سرکس میں کام کرنے والا عظیم فن کار زک چینی کو ایک بہت بڑے

دہانے کی توپ کے ذریعہ سے ۹۰ میل فی گھنٹے کی رفتار سے ۲۰۰ فیٹ دُور ایک جال میں پھینکا جاتا ہے تو دیکھنے والے دم بہ خود رہ جاتے ہیں۔ حیران کُن بات یہ ہے کہ وہ کوئی پیراشوٹ استعمال نہیں کرتا۔ وہ صرف ایک جمپ سوٹ، بڑی ایڑی والے بوٹ اور نرم چمڑے کا خود پہنتا ہے اور ۵۴ ڈگری پر نصب کردہ ایلومینیم کے ایک ۲۳ فیٹ لمبے سلنڈر میں گھس جاتا ہے۔ جیسے توپ کے ذریعہ سے داغا جاتا ہے اور وہ اوپر ہی اوپر چلا جاتا ہے۔ دوسری جنگِ عظیم سے لے کر اب تک اس کا خاندان یہ کرتب دکھا رہا ہے۔ مرسلہ: محمد پرویز فیصل، شرقپور خورد

کتّے کو گولڈ میڈل

برطانوی پولیس کے ایک کتّے کو گولڈ میڈل دیا گیا ہے۔ یہ کتّا دو ملزموں کا پیچھا کرتا ہوا ایک کار سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا۔ اس کے باوجود اس نے ملزموں کو پکڑ لیا۔ اس کے نگراں پولیس کانسٹیبل نے یہ وصول کیا۔ زندگی بچانے پر گولڈ میڈل ایک دوسرے کتّے کو دیا گیا۔ اس نے مفلوج آدمی کو آگ کے خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ مرسلہ: احسن فضل، کراچی

شمسی ریفریجریٹر

کینیڈا کا ایک ماہر انجینئر ایک ایسا ریفریجریٹر تیار کرنے میں کام یاب ہو گیا ہے جو بجلی اور گیس کے بجائے شمسی توانائی سے چلتا ہے۔ یہ دنیا میں شمسی توانائی سے چلنے والا پہلا ریفریجریٹر ہے۔ اس کی تیاری کا منصوبہ روٹری کلب نے کینیڈا کی بین الاقوامی ترقیاتی ایجنسی سے مل کر تیار کیا تھا۔ تیاری کے بعد اسے کارکردگی جانچنے کے لیے ایک دُور دراز گاؤں سینٹ توشیا بھیجا گیا۔

مرسلہ: سید سعدیہ، میرپور خاص

ووٹ گائے کھا گئی

جب ۷۔ جولائی ۱۸۷۰ء کو برطانیہ میں عام انتخابات ہوئے تو اس کے ووٹ ایک گائے کھا گئی، کیوں کہ اس وقت تک بیلٹ بکس ایجاد نہیں ہوتے تھے اور ووٹ کُھلی بالٹی میں ڈالے جاتے تھے۔ مرسلہ: صائمہ حسن، کراچی

ہمدرد انسائکلوپیڈیا

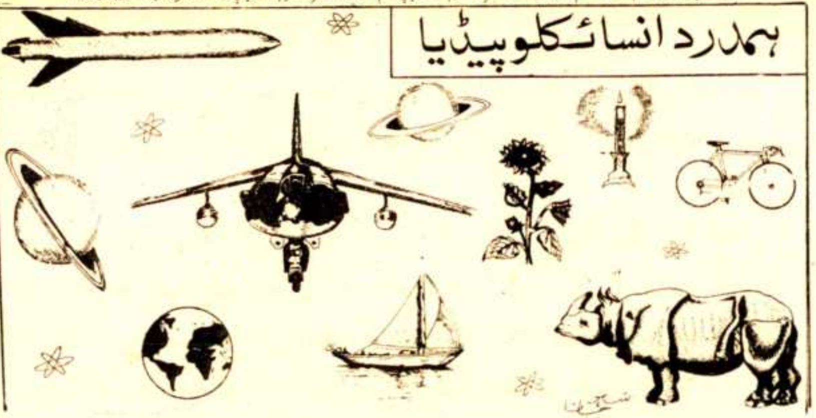

س: کمپیوٹر کیا ہے اور وہ کن کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے؟ نذیر احمد ساحر، مکران

ج: کمپیوٹر ایک الیکٹرونی مشین ہے جسے برقی دماغ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اُس میں آپ بہت سی معلومات محفوظ کر سکتے ہیں، پھر ایک بٹن دبا کر کوئی چیز بھی واپس لے سکتے ہیں یعنی پوچھ سکتے ہیں۔ یہ برقیاتی مشین انسانی یادداشت سے بہتر ثابت ہوئی ہے۔ آج کل ایک چھوٹا کمپیوٹر پی آئی اے کے دفتروں میں استعمال ہو رہا ہے۔ فرض کیجیے آپ ایک شہر سے دوسرے شہر کا ٹکٹ لیتے ہیں تو آپ کا نام وغیرہ کمپیوٹر میں محفوظ ہو جائے گا۔ ہر جگہ آپریٹر اپنے کمپیوٹر کا بٹن دباتے ہی یہ جان سکتا ہے کہ اس جہاز میں کتنے مسافروں کی جگہ محفوظ ہو چکی ہے اور کتنی نشستیں باقی ہیں۔ بعد میں بھی کبھی ضرورت ہو تو اُس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فلاں دن فلاں پرواز سے کون صاحب گئے تھے۔ یہ کمپیوٹر کی ایک مثال ہے ورنہ اب بینکوں وغیرہ میں بھی بڑے کمپیوٹر گاہکوں کے حساب سنبھالنے کے لیے استعمال کیے جا رہے ہیں۔ کارخانوں میں، صنعت و حرفت میں، ہسپتالوں میں، دفتروں میں غرض جہاں کہیں ریکارڈ محفوظ کرنے کی بات ہو، کمپیوٹر بڑے کام کی مشین ہے۔

س: گرم پانی میں کھانڈ جلدی حل ہو جاتی ہے لیکن ٹھنڈے پانی میں حل نہیں ہوتی۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ شیخ ناصر محمود، تحصیل کوٹ ادّو

ج: اس کی وجہ پانی کا بڑھا ہوا درجۂ حرارت ہے۔ جب پانی یا کسی بھی مائع کا درجۂ حرارت

بڑھتا ہے تو اُس کے سالمے (MOLECULES) تیزی سے حرکت کرنے لگتے ہیں اور اُن کے درمیان زیادہ جگہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اس جگہ میں کسی دوسری چیز کے سالمے سما سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ٹھنڈے پانی کے مقابلے میں گرم پانی میں شکر جلد گھُل جاتی ہے۔

س: بگولے کس طرح بنتے ہیں؟ مولوی سرور خان نیازی، مکڑوال

ج: بگولے چاروں طرف کی ہوائیں ایک جگہ جمع ہو جانے اور اُن کے گھوم جانے کی وجہ سے بنتے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں زمین تیزی سے گرم ہو جاتی ہے۔ وہاں کی ہوا گرم ہو کر اوپر اُٹھ جاتی ہے تو چاروں طرف کی ہوائیں اِس خلا کو پُر کرنے کے لیے اُس طرف دوڑتی ہیں۔ اِن ہواؤں کی باہمی حرکت اور گھوم جانے کی وجہ سے ہوا کا ایک کالم جیسا کھڑا ہو جاتا ہے۔ کاغذ کے ٹکڑے، گھاس کے تنکے اور دوسری ہلکی چیزیں جو اُس کے راستے میں آتی ہیں وہ بھی اوپر اُٹھ جاتی ہیں۔ یہ ہے بگولا۔

س: آب دوز سے کیا کام لیا جاتا ہے اور یہ کیسے استعمال ہوتی ہے؟

پرنس افضال شاہین، بہاول نگر

ج: آب دوز یا تار پیڈو کشتی جنگ کے زمانے میں دشمن کے بحری جہازوں کو نقصان پہنچانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ عام کشتی اور اس میں فرق یہ ہے کہ یہ پانی کے اوپر چلنے کے علاوہ پانی کے اندر کافی گہرائی میں چل سکتی ہے۔ اس کا عملہ اُس کے ساتھ رہتا ہے۔ اُس میں پانی کے ٹینک ہوتے ہیں۔ جب اُسے گہرائی میں اترنا ہوتا ہے تو اِن ٹینکوں میں سمندر کا پانی بھر دیا جاتا ہے جس سے کشتی بھاری ہو کر نیچے چلی جاتی ہے۔ جب اُسے پانی کی سطح پر اُوپر آنا ہوتا ہے تو یہ ٹینک خالی کر دیے جاتے ہیں اور کشتی ہلکی ہو کر اوپر آجاتی ہے۔ اس میں گولا مارنے کا انتظام ہوتا ہے جسے تار پیڈو کہتے ہیں۔ کشتی خاموشی سے دشمن کے بحری جہاز کے نیچے جا کر اُس میں تار پیڈو مارتی ہے جس سے جہاز میں بڑا سوراخ ہو جاتا ہے اور وہ ڈوب جاتا ہے۔

س : پلوٹونیم کیا ہے اور کس طرح دستیاب ہے؟ آصف علیم، لاہور

ج : قدرت نے بعض دھاتوں میں یہ صفت رکھی ہے کہ اُن سے ہر وقت نظر نہ آنے والی شعاعیں پھوٹتی رہتی ہیں، جو ہمارے لیے براہِ راست مضر ہوتی ہیں۔ ایسی دھاتیں 'تابکار' کہلاتی ہیں اور یہ عمل 'تابکاری' کہلاتا ہے۔ پلوٹونیم (PLUTONIUM) بھی ایسی ہی ایک 'تابکار' دھات ہے یہ جوہری توانائی پیدا کرنے میں کام آتی ہے۔ ۱۹۴۵ء میں اس کی دریافت کا اعلان کیا گیا تھا۔

س : جب کسی شخص کی بغل یا جسم کے کسی دوسرے حصّے میں گُدگُدی کی جاتی ہے تو وہ بے اختیار کیوں ہنس پڑتا ہے؟ عادل فاروق سونی، گجرات

ج : بغل، پیروں کے تلوے، کولھے جسم کے ایسے حصّے ہیں جہاں بہت سی رگیں، ریشے آکر ملتے ہیں۔ جب گُدگُدی کی جاتی ہے تو اِن رگوں، ریشوں کو تحریک ہوتی ہے، جو ہمیں ناگوار گزرتی ہے۔ اسی لیے ہم گُدگُدی سے بچنے کے لیے فوراً اپنا پیر پیچھے کھینچ لیتے ہیں اور ہمیں بے اختیار ہنسی بھی آجاتی ہے۔ ہمیں ہر عجیب و غریب حرکت پر ہنسی آتی ہے، اس لیے جب کوئی گُدگُدی کرتا ہے تو ہم اُس سے بچتے بھی ہیں اور ہنس بھی پڑتے ہیں۔

س : قوّتِ ارادی کیا ہوتی ہے؟ اُسے بڑھانے کے کیا طریقے ہیں؟ اس کے فوائد اور نقصانات کے بارے میں بتائیں۔ عبداللطیف، کراچی

ج : جیساکہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ارادے کی پختگی کا دوسرا نام قوت ارادی ہے۔ مثلاً بعض لوگوں میں فیصلہ کرنے کی قوت نہیں ہوتی ہے۔ بڑے معاملے تو ایک طرف وہ چھوٹے کاموں کے متعلق بھی فیصلہ نہیں کر پاتے کہ کریں یا نہ کریں۔ ایسے لوگ زندگی میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے برعکس وہ لوگ جن میں قوتِ ارادی کی کمی نہیں ہوتی وہ جو فیصلہ کرلیتے ہیں، اس پر قائم رہتے ہیں۔ وہ ایک کے بعد دوسرا کام کرتے چلے جاتے ہیں۔ زندگی میں اہم فیصلے کرتے ہیں اور اُن پر قائم رہتے ہیں۔ اس حد تک تو قوتِ ارادی اچھی چیز ہے لیکن اگر بڑھ کر ضد بن جائے تو پھر قوتِ ارادی مضر ہو جاتی ہے۔ اور فائدہ پہنچانے کے

بجائے نقصان کا سبب بنتی ہے۔ قوتِ ارادی بڑھانے کا انحصار خود انسان پر ہے۔ اس کے لیے مشق اور تربیت کی ضرورت ہے۔ فیصلہ کرنے سے پہلے آدمی خوب سوچ سمجھ لے، پھر جب فیصلہ کرے تو اس پر قائم رہے اور اس کے مطابق عمل کرتا رہے۔ اس طرح قوتِ ارادی بڑھتی جائے گی۔

س: زہر کیا ہوتا ہے؟ اس کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟ اور یہ کیسے عمل کرتا ہے؟

ن. ی. خالد محمود، کراچی

ج: زہر کئی طرح کے ہوتے ہیں۔ ترشہ بھی اگر بہت تیز ہو جائے تو زہر بن جاتا ہے۔ زہر کا کام ہمارے دورانِ خون پر بُرا اثر ڈالنا ہے۔ وہ دل کی حرکت کو روک دیتا ہے اور اسی وجہ سے موت واقع ہو جاتی ہے۔

س: ناروے میں چھ مہینے دن اور چھ مہینے رات کیوں ہوتی ہے؟ آمنہ عظمت، کراچی

ج: ناروے یورپ کے انتہائی شمال میں واقع ہے۔ یہ وہ علاقہ ہے کہ جہاں قطبِ شمالی بہت قریب ہو جاتا ہے۔ ہماری زمین اپنے محور پر گھومنے کے علاوہ (جس سے دن اور رات بنتے ہیں) سال بھر میں سورج کے چاروں طرف بھی ایک بار گھوم جاتی ہے۔ کبھی اس کا شمالی نصف کرہ سورج کی طرف جھک جاتا ہے اور کبھی جنوبی نصف کرہ۔ ناروے کا محلِ وقوع ایسا ہے کہ جب وہ سورج کی طرف ہوتا ہے تو چھ ماہ تک یہی صورت قائم رہتی ہے اور وہاں دن رہتا ہے پھر اُتنی ہی طویل رات آ جاتی ہے لیکن یہ صورت قطبِ شمالی کے قریب کے علاقے میں واقع ہوتی ہے جہاں اسکیمو رہتے ہیں۔

س: کیا واقعی دنیا میں ٹارزن کا وجود ہے یا محض افسانوی کردار ہے؟ وجے کمار، نواب شاہ

ج: ٹارزن پر ہی کیا منحصر ہے، دنیا کی بہت سی داستانوں میں فرضی کردار اُبھارے گئے اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ان داستانوں میں دلچسپی پیدا نہ ہوتی۔ ٹارزن بھی ایک افسانوی کردار ہے اور آپ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ انسان وہ کام نہیں کر سکتا، جو ٹارزن کرتا ہے۔

مستقل پڑھنے والوں کے لیے ایک تحفہ

ہمدرد نونہال کے ہزاروں پڑھنے والے ایسے ہیں جو برسوں سے پابندی کے ساتھ رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم اُن کے لیے ہر ماہ عمدہ عمدہ کہانیوں، معلومات اور تفریحات کا گُل دستہ پیش کرتے ہیں، لیکن اب فیصلہ کیا گیا ہے ہمارے ایسے مُستقل دوستوں کو کوئی تحفہ بھی پیش کیا جائے۔

جنوری ۱۹۸۵ء سے رسالے میں ایک کوپن لگایا جا رہا ہے۔ یہ تعلیمی تحفے کا کوپن ہے اور ہر مہینے لگایا جائے گا۔ اس کوپن کی صفائی سے خانہ پُری کیجیے اور کاٹ کر اپنے پاس محفوظ رکھ لیجیے۔ جب بارہ کوپن ہو جائیں تو آپ احتیاط سے ہمیں بھیج دیجیے۔ ہم آپ کو مندرجہ ذیل مفید و دل چسپ کتابوں میں سے جو کتاب آپ کو پسند ہو گی وہ بھیج دیں گے:۔

(۱) جاگو جگاؤ، از حکیم محمد سعید (۲) چالاک خرگوش کے کارنامے، از معراج (۳) قصہ اژدہا پکڑنے کا، از محمود علی اسد و دیگر (۴) چند مشہور طبیب اور سائنس دان، از حکیم محمد سعید و دیگر (۵) ابو علی کا جوتا، از عبدالحمید نظامی و دیگر (۶) صحت کی الف بے، از مسعود احمد برکاتی (۷) ننھا سیّاح، از محمد زکریا مائل (۸) غذائیں دوائیں، از ادارۂ ہمدرد نونہال (۹) سنہرے اصول، از حکیم محمد سعید (۱۰) ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی، از علی اسد (۱۱) کھلونا نگر، از غازی کمال رشدی (۱۲) ننھا سراغ رساں، از مسعود احمد برکاتی و دیگر (۱۳) پُراسرار غار، از میرزا ادیب و دیگر

ان میں سے جو کتاب بھی آپ کو پسند ہو اُس کا نام کوپنوں میں لکھ دیجیے۔ بارہ کوپنوں میں سے ہر کوپن کی خانہ پُری کیجیے تاکہ کوئی دوسرا اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ اس کے علاوہ یہ فیصلہ بھی کیا گیا ہے کہ بارہ کوپن جمع کر کے بھیجنے والے اگر ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ کتابیں خریدنا چاہیں تو اُن سے ۲۵ فی صد قیمت کم لی جائے۔

جولائی ۱۹۸۵ء

کوپن علمی تحفہ

میں ہمدرد نونہال مُستقل پڑھنے اور خریدنے والا/والی ہوں اور بارہ کوپن جمع کر کے بھیج رہا/رہی ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے مندرجہ ذیل کتاب علمی تحفے کے طور پر بھیج دیجیے۔

نام کتاب: ____________________

نام: ____________ عُمر: ______ تعلیم: ____________

پتا: ____________________

ہمدرد گھٹّی

بچّوں کے نظامِ ہضم کے لئے ایک قدرتی دوا

چنیدہ نباتات سے صدیوں پرانے اصولوں پر تیار کردہ ہمدرد گھٹّی نومولود بچّوں کا پیٹ صاف کرنے کے لئے ایک قدرتی دوا ہے۔ انتہائی خوش ذائقہ ہمدرد گھٹّی بچّوں کو گیس، قبض اور پیٹ کی بہت سی دوسری تکلیفوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

مسکراتے رہو

● ایک دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا، "کیا تمھاری شادی ہو گئی ہے؟"

دوسرے نے جواب دیا، "جی ہاں، مگر جز وقتی (پارٹ ٹائم)۔"

پہلا، "کیا مطلب؟"

دوسرا، "وہ بھی ڈاکٹر ہے اور میں بھی ڈاکٹر ہوں۔ وہ بھی ملازم اور میں بھی ملازم۔ ہم دونوں کبھی کبھی اتفاقاً مل جاتے ہیں۔"

مرسلہ: انعام الحق اشرف، کراچی

● ایک صاحب نجومی کو ہاتھ دکھانے گئے۔ بہت غور کے بعد نجومی نے انھیں بتایا کہ آپ چالیس برس کی عمر تک غریبی کے سبب پریشان رہیں گے۔ وہ خوش ہو کر بولے، "اس کے بعد؟"

"اس کے بعد آپ کو اس کی عادت ہو جائے گی۔"

مرسلہ: عبدالمجید قادری، کراچی

● ملا نصرالدین نے ایک ادیب کو اپنے گھر بلایا۔ جب ادیب ملا کے گھر گیا تو ملا کہیں گیا ہوا تھا۔ ادیب کو بڑا غصہ آیا۔ اس نے ملا کے دروازے پر "بے وقوف" لکھ دیا۔ جب ملا گھر واپس آیا تو دروازے سے ہی لوٹ گیا اور سیدھا ادیب کے گھر گیا اور ادب سے ہاتھ باندھ کر کہا، اپنے دروازے پر حضور کا نام لکھا دیکھا تو فوراً حاضر ہو گیا۔

مرسلہ: عمران سرور، کراچی

● ایک بدشکل کو راستے میں ایک آئینہ پڑا ملا۔ اٹھا کر دیکھا تو اس میں اپنا بدصورت چہرہ نظر آیا۔ جھٹ دور پھینک کر بولا، "اگر تو اس قدر بدنما نہ ہوتا تو تجھے کیوں کوئی اس طرح راستے میں پھینکتا۔ واقعی یہ تیرے اعمال کا پھل ہے۔"

مرسلہ: فواد فاروقی، ٹنڈو جام

● کرنل: (فوجی ملازمت کے امیدوار سے) "تم سپاہی کیوں بننا چاہتے ہو؟"

امیدوار: تاکہ اپنی بہادری سے وطن کی خدمت

اور حفاظت کر سکوں۔

کرنل: اچھا یہ لوچا تو ذرا اپنی ایک انگلی تو کاٹ کر دکھاؤ۔

امیدوار: جناب، میری انگلی کے کٹنے سے مجھے تکلیف پہنچے گی اور مجھے تکلیف میں دیکھ کر میرا وطن بھی دکھی ہو جائے گا، لہٰذا میں اپنے وطن کو انگلی کاٹ کر دکھ نہیں دے سکتا۔

● ایک جگہ ایک امریکی، ایک جاپانی اور ایک پاکستانی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

امریکن بولا: میرا بھائی اس قدر تیز ہے کہ بیٹھے بیٹھے تین گھنٹے میں امریکا سے پاکستان آ سکتا ہے۔ پاکستانی اور جاپانی حیران ہو کر بولے: کیا صرف گھر میں بیٹھے بیٹھے؟

امریکی: نہیں، جہاز میں بیٹھے بیٹھے۔

جاپانی بولا: میرا بھائی اتنا تیز ہے کہ بیٹھے بیٹھے ایک ملک سے دوسرے ملک کا نظارہ کر سکتا ہے۔ امریکی اور پاکستانی حیران ہو کر بولے: کیا صرف کرسی پر بیٹھے بیٹھے؟

نہیں، ٹی وی کے سامنے بیٹھے بیٹھے۔

پاکستانی بولا، "میرا بھائی اس قدر تیز ہے کہ بیٹھے بیٹھے پورے ملک کو تاریک کر سکتا ہے۔ جاپانی اور امریکی حیران ہو کر بولے: کیا کمرے میں بیٹھے بیٹھے؟

پاکستانی: نہیں، واپڈا کے چیئرمین کی کرسی پر بیٹھے بیٹھے۔ مرسلہ: محمد قیصر امام، ملیر کالونی

● اسلم: مجھے آج علم ہوا تمھارا بیٹا گورکن ہے تم تو کہتے تھے کہ وہ ڈاکٹر ہے۔

اکرم: میں نے کبھی اسے ڈاکٹر نہیں کہا، بلکہ ہمیشہ یہ کہا کہ میرے بیٹے کی روزی کا دار و مدار طبی پیشے کی مہارت پر ہے۔ مرسلہ: ذوالفقار علی قائم خانی، ڈگری

● ایک پریشان حال شخص ایک صاحب کے پاس شناختی کارڈ کا فارم پُر کروانے کے لیے گیا۔

انھوں نے پوچھا، "تمھارا نام؟" "نائب خان ولد شادی خان"

پوچھا کہ شناختی علامت؟

بولا کہ لکھ دیجیے: "چہرے پر پریشانی کے آثار"

مرسلہ: کاشف محمود، کراچی

● کسی گھڑیوں کی دُکان میں تین مرتبہ چوری ہوئی اور پولیس چور کا سراغ لگانے سے قاصر رہی۔ آخر دُکان کے مالک نے خود ایک ترکیب آزمانے کا فیصلہ کیا۔ دُکان میں ایک خودکار کیمرا لگا دیا، جو ہر آنے والے کی تصویر اُتار لیتا اور چور کو ترغیب دلانے کی خاطر شوکیس میں نقلی گھڑیاں رکھ دیں۔ چور پھر چوری کی غرض سے آیا۔ اس نے گھڑیوں کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا اور قیمتی خودکار کیمرا لے کر چلتا بنا۔ مرسلہ: شجاع الدین انصاری، کراچی

● نوکر: صاحب! فضلو آپ کو گدھے کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔

مالک: کیوں فضلو، تو ہمیں گدھے کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔

فضلو: نہیں صاحب، یہ جھوٹ بولتا ہے میں تو سمجھتا ہوں۔ مرسلہ: زاہد انور جاوید، کراچی

آخر وہ مالک بن گیا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہندُستان کے شہر راجا پور میں طاعون کی وبا پھیل گئی۔ یہ ایک بہت بڑی بیماری ہوتی ہے۔ اب تو انسانوں نے اس پر قابو پا لیا ہے، لیکن ایک زمانہ وہ تھا کہ جب کسی شہر میں طاعون پھیلتا تو ہزاروں آدمی اس کا شکار ہو جاتے۔ بعض دفعہ تو یہ مرض ایک ہی خاندان کے کئی افراد کی جانیں لے لیتا۔ یہ بیماری بعض اوقات بڑی تیزی سے پھیلتی تھی۔ راجا پور میں بھی یہ بیماری آگ کی طرح تیزی سے پھیلی۔ امیر، غریب دونوں ہی اس بیماری کا شکار ہوئے، نہ جانے کتنے خاندان تو بالکل ہی ختم ہو گئے۔ جو بچ گئے اُن میں سے بھی شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو جہاں اس بیماری کی وجہ سے ایک دو آدمی کم نہ ہوئے ہوں۔ جو خاندان بالکل ہی ختم ہو گئے تھے یا جنھیں اس وبا میں بہت زیادہ نقصان پہنچا تھا، ان میں ایک سُنندا کا خاندان بھی تھا۔

سُنندا راجا پور کا بہت بڑا تاجر تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ سُنندا کے پاس سونے کے بارہ کروڑ سکّے ہیں۔ طاعون کی وبا میں سُنندا، اس کی بیوی، تمام رشتے دار اور اس کے بچّے اس دنیا کو چھوڑ گئے۔ صرف ایک آٹھ سال کا بچّہ زندہ رہ گیا۔ اس بچّے کا نام سمترا تھا۔ جب اس کے ماں باپ اور بہن بھائی سب ہی مَر گئے اور وہ راجا پور میں تنہا رہ گیا تو سمترا نے سوچا کہ اتنے بڑے مکان میں وہ تنہا کیسے رہے گا! اب اُسے کہیں اور چلنا چاہیے۔ یہ سوچ کر وہ اپنے گھر سے نکل آیا۔ راجا پور کی سڑکوں پر سمترا اِدھر سے اُدھر گھومتا رہا، لیکن کسی نے بھی اُس پر توجّہ نہیں دی۔ اُسے بھوک لگنے لگی تھی، لیکن راجا پور میں کوئی ایسا آدمی نہ ملا جو اُسے روٹی کھلا دیتا۔ گھومتے گھومتے وہ شہر سے باہر نکل آیا۔ یہاں اُس نے دیکھا کہ ایک جگہ بہت سے آدمی جمع ہیں اور قافلہ بنا کر کسی دوسرے شہر میں جا کر بسنا چاہتے ہیں۔ ان میں کچھ لوگوں کے پاس اپنی سواریاں بھی تھیں، لیکن زیادہ آدمی ایسے تھے جنھیں پیدل ہی سفر کرنا

تھا۔ یہ قافلہ اُجین جا رہا تھا۔ سب کا خیال تھا کہ اُجّین بڑا شہر ہے، اس لیے وہاں یا تو آسانی سے کوئی نوکری مل جائے گی یا پھر وہ لوگ اپنا اپنا کاروبار کر سکیں گے۔ سمنترا بھی اس قافلے میں شامل ہو گیا۔

قافلہ اُجّین پہنچا تو سب لوگ الگ الگ ہو گئے۔ کوئی اپنے کسی رشتے دار کے پاس چلا گیا، کسی نے شہر کی سرائے میں پناہ لی، لیکن بے چارہ سمنترا تو ابھی بہت چھوٹا تھا۔ وہ اپنے رہنے کے لیے کوئی الگ انتظام کر ہی نہیں سکتا تھا۔ ساتھ کے لوگوں نے اس سے پوچھا بھی نہیں تھا کہ وہ کہاں رہے گا، اس لیے سمنترا اُجّین کی سڑکوں پر یونھی مارا مارا پھرنے لگا۔ پیٹ بھرنے کے لیے اب اُسے بھیک مانگنا پڑی۔ وہ گھومتے پھرتے ایک بہت بڑے مکان کے دروازے پر پہنچا تاکہ یہاں سے کچھ کھانے کے لیے مانگے۔ یہ مکان اُجّین کے ایک بہت بڑے تاجر کونیکا کا تھا۔ سمنترا دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ دو بڈھے سادھو بھی وہاں پہنچے۔ انھوں نے سمنترا کو دیکھا، تو اُن میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا:

"یہ لڑکا جو آج بھیک مانگنے یہاں آیا ہے، ایک دن اسی مکان کا مالک بن جائے گا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو بھیا" دوسرے سادھو نے جواب دیا۔

دونوں سادھو جب آپس میں یہ باتیں کر رہے تھے اُسی وقت گھر کا مالک کونیکا بھی دروازے کے قریب ہی کھڑا تھا۔ اس نے دونوں سادھوؤں کی باتیں سُن لیں اور اپنے دل میں سوچنے لگا کہ سادھوؤں کی پیشین گوئیاں کبھی جھوٹی نہیں ہوتیں، کیوں کہ سادھو تو اپنی پوری زندگی عبادت میں گزار دیتے ہیں اور ستاروں کی چال پہچانتے ہیں۔ انھیں اپنے علم سے آنے والے حالات کا پتا چل جاتا ہے۔ اب اگر سادھو یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ معمولی سا فقیر لڑکا ایک دن میرے گھر کا مالک ہو جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے باپ دادا نے بڑی محنت سے جو دولت جمع کی ہے، وہ بھی اس لڑکے کو مِل جائے گی۔ تو کیا میرا اپنا لڑکا سُمدرا میری دولت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکے گا! اگر ایسا ہوا تو بہت بُرا ہو گا، لیکن صرف افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہے! مجھے اس کے لیے کوئی ایسی ترکیب سوچنی چاہیے جس سے یہ خطرہ ٹل جائے اور میری دولت کسی اور کے بجائے میرے بیٹے ہی کو ملے۔ یہ سوچ کر اُس نے سمترا کو بڑے پیار سے گھر کے اندر بُلا لیا اور اچھے اچھے کھانے اس کے سامنے رکھ دیے۔

سمترا تو کئی دن سے بھوکا تھا۔ اُسے یہ معلوم بھی نہ تھا کہ کونیکا یہ عمدہ عمدہ کھانے اُسے کیوں کھلا رہا ہے۔ وہ تو کونیکا کو ایک رحم دِل آدمی سمجھ رہا تھا۔ اس لیے آرام سے کھانا کھانے لگا۔ اِدھر کونیکا نے دِل ہی دل میں سمترا سے چھٹکارا پانے کی ایک ترکیب سوچ لی تھی۔ پھر جب سمترا نے کھانا ختم کیا تو کونیکا اُسے اچھے اچھے کپڑے دلانے کے بہانے اپنے ساتھ لے کر گھر سے نکلا، لیکن بازار کے بجائے وہ شہر کے آخری کونے پر ایک ایسی بستی میں پہنچا جہاں بہت بُرے لوگ رہتے تھے۔ ان بُرے آدمیوں کی بستی کے سردار کا نام کالو تھا۔ اس آدمی نے کئی قتل کیے تھے۔ انسانوں کی جان لینا تو اس کے بائیں ہاتھ کا کام تھا۔

کونیکا نے کالو کو الگ بُلا کر اُسے کچھ رُپے دیے اور کہا کہ وہ شہر سے باہر لے جا کر اس لڑکے سمترا کو قتل کر دے۔ قتل کرنے کے بعد اُسے اور رقم ملے گی۔ کالو تو لالچی تھا ہی، وہ فوراً تیار ہو گیا اور سمترا کو اپنے ساتھ لے کر اس بستی سے نکلا۔ اس نے سمترا سے کہا کہ سیٹھ صاحب نے اُسے ہدایت کی ہے کہ سمترا کو شہر کے باہر سے اچھے اچھے کپڑے دلائے۔ اس بہانے سے وہ سمترا کو لے کر جنگل میں پہنچا۔ وہاں اس نے معصوم بچّے کے ہاتھ پیر باندھ دیے اور ایک

بڑا سا چھرا نکال لیا تاکہ سمترا کا گلا کاٹ دے۔
ہاتھ پیر باندھے جاتے وقت ہی سمترا ڈر کر رونے لگا تھا۔ اب جو اس نے کالو کے ہاتھ میں بڑا سا چھرا دیکھا تو روتے ہوئے اس کی منت سماجت کرنے لگا کہ اس کی جان نہ لی جائے۔
سمترا کے رونے اور منت سماجت کرنے سے خدا نے کالو کے دل میں رحم ڈال دیا اور وہ سوچنے لگا کہ آخر اس آٹھ سال کے معصوم بچے نے ایسا کون سا قصور کیا ہے کہ کونیکا اس کی جان لینا چاہتا ہے۔ یقیناً اس میں کچھ گڑبڑ ہے۔ کونیکا ظالم ہے جو اس معصوم بچے کی جان لے رہا ہے، لیکن مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ مجھے کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیے کہ اس بچے کی جان بھی بچ جائے اور مجھے انعام کی وہ رقم بھی مل جائے جو کونیکا نے مجھے دینے کا وعدہ کیا ہے۔ کیوں کہ مجھے بھی تو پیسوں کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ میں کونیکا جیسے سیٹھ کو ناراض بھی نہیں کر سکتا۔ یہ سب باتیں سوچ کر اس نے سمترا سے کہا:
"میں تمھیں اس شرط پر زندہ چھوڑ سکتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ دوبارہ اس شہر میں نہیں آؤ گے۔"
"میں اس شہر سے فوراً چلا جاؤں گا اور دوبارہ ہرگز نہ آؤں گا۔" سمترا نے وعدہ کر لیا۔
"لیکن میں تمھیں ایک ایسی نشانی ضرور دوں گا کہ تمھیں اپنا وعدہ ہمیشہ یاد رہے گا۔"
کالو نے کہا اور اپنے تیز چھرے سے سمترا کی ایک انگلی کاٹ لی۔ یہ کٹی ہوئی انگلی وہ سمترا کو قتل کرنے کے ثبوت میں کونیکا کو دکھانا چاہتا تھا تاکہ انعام کی باقی رقم بھی اُس کو مل جائے۔ اس کے بعد اس نے سمترا کی رسیاں کاٹ کر اُسے آزاد کر دیا۔ سمترا نے فوراً اپنی دھوتی پھاڑ کر کٹی ہوئی انگلی پر پٹی باندھی اور درد سے کراہتا ہوا جنگل میں ایک طرف نکل گیا۔ اِدھر کالو سمترا کی کٹی ہوئی انگلی لے کر کونیکا کے پاس پہنچا۔ کونیکا انگلی دیکھ کر بہت خوش ہوا اور انعام کی باقی رقم کالو کو دے دی۔
سمترا درد سے کراہتا ہوا بڑی دیر تک جنگل میں اِدھر اُدھر گھومتا رہا۔ کبھی وہ ٹھوکر کھا کر گر پڑتا۔ کبھی ذرا دیر دَم لینے کو کہیں بیٹھ جاتا۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ وہ گرا تو تکلیف کی وجہ سے بے ہوش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک چرواہا اُدھر سے گزرا۔ اُس نے زخمی سمترا کو دیکھا تو اُسے اس معصوم بچے پر بڑا ترس آیا۔ وہ اُسے اٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔ چرواہے کی

بیوی نے جب ایک آٹھ سال کے بچّے کو بے ہوش دیکھا، تو اُسے بھی بچّے پر بڑا ترس آیا۔ وہ دونوں ہی بڑے نیک اور رحم دل تھے۔ چرواہے کی بیوی نے سمترا کی مرہم پٹی کی اور اُسے آرام سے بستر پر لِٹا دیا۔ بڑی دیر کے بعد جب سمترا کو ہوش آیا، تو چرواہے اور اس کی بیوی کے پوچھنے پر اُس نے راجا پور میں طاعون پھیلنے سے لے کر اس وقت تک کی تمام باتیں اُن دونوں کو بتا دیں، لیکن وہ یہ نہیں بتا سکا کہ جس شخص نے صرف ایک انگلی کاٹ کر اُسے زندہ رہنے دیا تھا، اس کا نام کیا تھا اور جس کے گھر پر وہ بھیک مانگنے گیا تھا، وہ کون تھا؟ سمترا بتاتا بھی کیسے؟ اُجّین میں تو وہ بالکل اجنبی تھا۔ وہاں وہ کسی کو جانتا ہی نہیں تھا۔ بہرحال سمترا کی کہانی سُن کر چرواہے اور اس کی بیوی نے سمترا کو بڑی تسلی دی اور کہا:

"ہم دونوں کے کوئی بیٹا یا بیٹی نہیں تھی۔ ہم سمجھیں گے کہ خدا نے ہمیں اب ایک بیٹا دے دیا ہے۔ اس لیے اب تم یہیں رہو۔ یہاں تمھیں کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔"

اب سمترا انھیں دونوں کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ دونوں بھی اس سے بہت محبّت کرتے تھے اور سمترا بھی ان کی بڑی خدمت کرتا۔ چرواہے کے پاس شہر کے ایک بڑے سیٹھ کے بہت سے مویشی تھے، جنھیں چَرانے کے لیے وہ روز صبح صبح گھر سے نکل جاتا۔ سمترا تھوڑا سا بڑا ہوا تو مویشی چَرانے کا کام اس نے خود سنبھال لیا۔ اسی طرح کئی برس گزر گئے۔ گاؤں کی کُھلی فضا اور اچھی غذا سے سمترا اب ایک تن درست جوان بن چکا تھا۔ گاؤں بھر کے لوگ اس کی بڑی عزّت کرتے، کیوں کہ وہ ہر شخص کے کام آتا۔ اپنے بڑوں کا بہت ادب کرتا۔ سمترا کی زندگی یونہی آرام سے گزر رہی تھی کہ ایک دن چرواہے نے اُسے بتایا کہ وہ شہر کے جس سیٹھ کے مویشی چَراتا ہے، وہ اپنے مویشیوں کو دیکھنے اور کچھ نئے جانور خریدنے کے لیے گاؤں آنے والا ہے۔ پھر دوسرے دن جب وہ سیٹھ گاؤں پہنچا تو یہ سیٹھ کونیکا ہی تھا، لیکن سمترا اُسے بالکل نہیں پہچان سکا البتہ کونیکا نے سمترا کو پہچان لیا۔ پھر جب کونیکا کی نظر سمترا کی کٹی ہوئی انگلی پر پڑی تو اُسے یقین ہو گیا کہ یہ وہی لڑکا ہے، جسے برسوں پہلے اس نے کالو سے قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔

سمترا کو دیکھ کر کونیکا کو ایک مرتبہ پھر سادھوؤں کی پیشین گوئی یاد آ گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ میں نے تو اس لڑکے کو قتل کرانا چاہا تھا، لیکن یہ اب تک زندہ ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ

سادھوؤں کی پیشین گوئی سچ مچ پوری ہونے والی ہو، لیکن مجھے ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ایک مرتبہ پھر اس لڑکے کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آ ہی گئی اور اس نے چرواہے سے کہا:

"مجھے شہر میں ایک بیوپاری سے ملنا تھا، لیکن میں بھول گیا کہ مجھے اس سے کتنی ضروری بات کرنی تھی۔ اب میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے ایک خط اپنے بیٹے سمدرا کو بھیج دوں تاکہ میرے بجائے وہ بیوپاری سے بات چیت کرے اور میرے کاروبار کو نقصان نہ ہو۔ اگر یہاں کوئی ایسا آدمی ہو جو احتیاط سے میرا خط میرے بیٹے کو پہنچا دے تو میں خط لکھ دوں۔"

"آپ میرے بیٹے سمترا کے ذریعے سے اپنا خط بھیج سکتے ہیں۔ وہ پوری احتیاط سے آپ کا خط پہنچا دے گا۔" چرواہے نے کہا۔

"ٹھیک ہے تم اپنے بیٹے کو بلاؤ میں خط لکھتا ہوں۔" کونیکا نے کہا اور اپنے بیٹے کے نام خط لکھنے لگا۔ اس نے سنسکرت زبان میں اپنے بیٹے کو خط لکھا، جس میں اس نے لکھا کہ میں جس لڑکے کو بھیج رہا ہوں اس کی خاطر کرو، اچھے اچھے کھانے کھلاؤ اور اسے "وش" دے دو۔ سنسکرت میں "وِش" زہر کو کہتے ہیں۔ اس طرح کونیکا نے اپنے بیٹے کو بتایا تھا کہ سمترا کی خاطر مدارات کے بہانے اچھے اچھے کھانوں میں زہر ملا کر سمترا کو کِھلا دیا جائے، تاکہ سمترا کی زندگی ختم ہو جائے۔

کونیکا کا خط لے کر سمترا شام کے وقت شہر جانے کے لیے گاؤں سے نکلا۔ کہیں رُکے بغیر رات بھر چلنے کے بعد وہ سورج نکلنے سے پہلے ہی شہر کے قریب ایک باغ میں پہنچ گیا۔ یہاں ایک مندر بھی تھا جس میں اُجّین کے رہنے والے صبح سویرے عبادت کرنے کے لیے آتے تھے۔ سمترا تھکا ہوا تو تھا ہی، ذرا سی دیر آرام کرنے کے لیے مندر کے برآمدے میں لیٹا تو اُسے نیند آ گئی۔

اُجّین کے مندر میں کونیکا کی بیٹی وشیا بھی صبح سویرے پوجا کرنے آتی تھی۔ وہ سورج نکلنے سے پہلے ہی مندر میں پہنچ جاتی تھی۔ اُس روز وہ مندر میں پہنچی تو اس نے مندر کے برآمدے میں ایک نوجوان کو لیٹے ہوئے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ کوئی پردیسی ہے، لیکن وہ اتنا خوب صورت تھا کہ وشیا اُسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ اُسی وقت اس کی نظر اُس خط

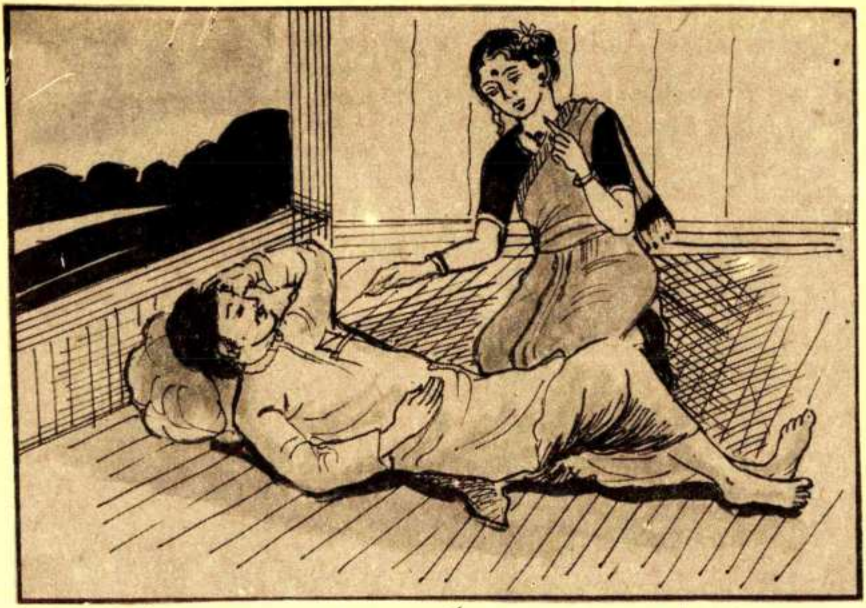

پر پڑی جو سمترا کی جیب سے سوتے میں کچھ باہر نکل آیا تھا۔ وشیا نے سوچا کہ یہ معلوم کرنا چاہیے کہ یہ نوجوان کس کے پاس آیا ہے! اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کی جیب میں جو خط ہے وہ اُسے اُجّین ہی میں کسی کو پہنچانا ہے، پھر اس نے آہستہ سے وہ خط سمترا کی جیب سے نکال لیا اور کھول کر پڑھنے لگی۔ پھر جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ یہ خط اُس کے باپ نے اس کے بھائی سمدرا کو بھیجا ہے تو وہ اُسے اور بھی غور سے پڑھنے لگی۔ اس خط میں لکھا تھا کہ سمترا کی خوب خاطر مدارات کرو، اسے اچھے اچھے کھانے کھلاؤ اور اسے "وِش" دے دو۔ تو وشیا نے سوچا کہ اس کا باپ کونیکا اتنا ظالم تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اس جیسے نوجوان کو بلاوجہ زہر دلوا دے۔ پھر باپ نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ اس کی خوب خاطر مدارات کرو، اسے اچھے اچھے کھانے کھِلاؤ۔ ان دونوں بے جوڑ باتوں کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ لکھتے وقت اس کے باپ سے کچھ غلطی ہو گئی ہو۔ پھر اُسے یہ بھی خیال آیا کہ کونیکا تو وشیا کو بہت چاہتا ہے وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ وشیا کے لیے میں بڑا خوب صورت دولھا تلاش کروں گا۔ وشیا نے سوچا کہ اس کے باپ نے یقیناً اس کے لیے خوب صورت

دولھا تلاش کیا ہے۔ بس لکھتے ہوئے ایک لکیر لگانا بھول گیا ہے۔ جس سے "وِش" وشیا بن جاتا۔ وشیا نے اسے اپنے باپ کی بھول سمجھ کر اس خط میں وہ لکیر بڑھا دی، جس کی وجہ سے "وش" وشیا بن گیا۔ پھر اس نے وہ خط دوبارہ سمترا کی جیب میں رکھ دیا۔

سمترا کی جب آنکھ کھلی تو اُسے معلوم بھی نہ تھا کہ سمدرا سے پہلے یہ خط کسی اور نے بھی پڑھا ہے۔ بہرحال خط اس نے سمدرا کو پہنچا دیا۔ سمدرا نے جب خط پڑھا تو اس نے بھی سمترا کی بہت خاطر کی۔ اس نے بھی اس جملے کا کہ "سمترا کو وشیا دے دو" یہی مطلب سمجھا کہ کونیکا نے وشیا کی شادی سمترا سے کرنے کی ہدایت کی ہے۔ شاید کسی وجہ سے کونیکا کے آنے میں دیر لگے گی، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ سمدرا ہی اپنی بہن کی شادی کر دے۔ یہ سوچ کر سمدرا نے جلدی جلدی شادی کی تیاریاں کیں اور اس طرح سمترا اور وشیا کی شادی ہو گئی۔

کچھ دن بعد جب کونیکا واپس پہنچا تو اُسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس کے بیٹے سمدرا نے اپنی بہن کی شادی سمترا سے کر دی ہے۔ پھر جب اُسے ساری تفصیل معلوم ہوی تو اُسے بہت غصہ بھی آیا اور افسوس بھی ہوا، لیکن اس نے کسی پر بھی یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ سمترا اور وشیا کی شادی سے خوش نہیں ہے۔ اب اس نے ایک مرتبہ پھر قسمت آزمانے کی کوشش کی اور سیدھا کالو کے پاس پہنچا اور اُسے سخت سُست کہا کہ اس نے پیسے لینے کے باوجود سمترا کو قتل نہیں کیا تھا۔ کالو نے بھی اعتراف کر لیا کہ اُسے واقعی معصوم سمترا پر رحم آ گیا تھا۔ کالو کا اعتراف سننے کے بعد کونیکا نے کہا،

"چلو گزری ہوئی باتوں کو یاد کرنے سے اب کوئی فائدہ نہیں۔ میں آج رات کو کسی بہانے سے سمترا کو پرانے مندر میں بھیج دوں گا، تم اُسے وہیں قتل کر دینا۔" کالو نے بھی وعدہ کر لیا کہ اس مرتبہ وہ سمترا کو کسی حال میں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ کالو کے پاس سے کونیکا سیدھا اپنے گھر پہنچا۔ وہاں اس نے سمترا کو بُلایا اور کہا:

"بیٹا، ہمارے یہاں کی رسم ہے کہ شادی کے بعد دولھا پرانے مندر کی پوجا ضرور کرتا ہے۔ تم نے ابھی تک وہاں کی پوجا نہیں کی ہے، اس لیے تم آج ہی رات قیمتی چیزیں لے کر اس مندر میں جاؤ اور پوجا کر لو۔" سمترا کو کیا معلوم تھا کہ کونیکا اسے مارنے کے لیے جال پھیلا رہا ہے اس لیے اُس نے بھی فوراً وعدہ کر لیا۔ اب کونیکا کو اطمینان ہو گیا کہ سمترا کی زندگی

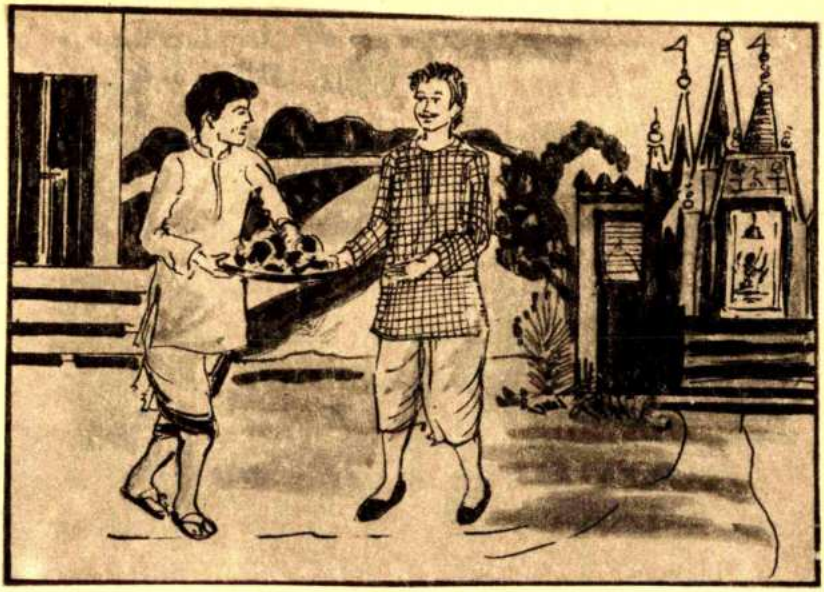

صرف اتنی ہی دیر تک کی ہے جب تک وہ مندر میں نہیں جاتا، اس کے بعد تو سمترا ختم ہو جائے گا اور اس کی دولت محفوظ رہے گی۔

جب رات ہوئی تو سمترا ایک تھالی میں بہت سی چیزیں لے کر مندر میں چڑھانے کے لیے گھر سے نکلا۔ ابھی مندر بہت دُور تھا کہ راستے میں اسے سمدرا مل گیا۔ اس نے سمترا سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ تو سمترا نے اُسے تفصیل سے بتا دیا کہ کو نیکا کے کہنے پر وہ پرانے مندر میں پوجا کرنے جا رہا ہے۔ سمدرا نے کہا:

"بھائی، تم بہت تھکے ہوئے ہو اور مندر بھی بہت دُور ہے۔ لاؤ، یہ سب چیزیں مجھے دے دو میں تمھاری طرف سے اسے مندر میں پہنچا دوں گا۔ تم گھر جا کر آرام کرو۔"

سمترا واقعی بہت تھکا ہوا تھا۔ اُسے موقع مل گیا اور وہ ساری چیزیں سمدرا کو دے کر گھر چلا گیا۔ اِدھر جب سمدرا وہ سب سامان لے کر مندر پہنچا تو رات ہو چکی تھی۔ مندر میں اندھیرا تھا۔ اسی اندھیرے میں کالو تلوار لیے پہلے سے سمترا کے انتظار میں بیٹھا تھا۔ سمدرا جیسے ہی مندر میں داخل ہوا تو کالو اندھیرے میں یہ تو پہچان نہ سکا کہ اندر آنے والا سمترا

نہیں سمدرا ہے۔ اس نے سمدرا پر پیچھے سے تلوار اس زور سے ماری کہ بے چارہ سمدرا آواز بھی نہ نکال سکا اور فوراً ہی گر کر مر گیا۔

جب سمترا گھر پہنچا تو اُسے کونیکا گھر کے دروازے پر ہی مل گیا۔ شاید وہ سمترا کے مرنے کی خبر سننے کے لیے دروازے پر کالو کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے سمترا کو دیکھتے ہی پوچھا، "ارے تم اتنی جلدی کیسے آگئے؟"

"سمدرا بھائی نے مجھ سے تمام چیزیں لے لیں، انھوں نے کہا کہ وہ خود ہی یہ چیزیں مندر لے جائیں گے۔ اب وہ وہیں گئے ہیں۔" سمترا نے جواب دیا۔

سمترا کا جواب سُن کر کونیکا کے ہوش اُڑ گئے۔ وہ جس حالت میں کھڑا تھا اُسی حالت میں مندر کی طرف دوڑتا ہوا چل دیا، لیکن اُسے دیر ہو چکی تھی۔ وہ مندر پہنچا تو دروازے کے قریب ہی سمدرا مرا ہوا پڑا تھا۔ بیٹے کو اس حالت میں دیکھ کر کونیکا بھی غش کھا کر گرا اور وہیں مر گیا۔

کونیکا نے تو سمترا کی جان لینے کی کوشش کی تھی، لیکن اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ یوں سادھوؤں کی پیشین گوئی سچّی ہو گئی اور کونیکا کی ساری دولت سمترا کو مل گئی۔

اقوالِ زرّیں

- لوہے کی مضبوط دیوار گرائی جا سکتی ہے، مگر بلند کردار کی تسخیر ناممکن ہے۔
- اتنی بُلند دیواروں والے محلوں میں نہ رہو جس میں تمھاری آرزو گھُٹ کر رہ جائے۔
- علم حاصل کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرو۔
- کاشت کرنا ہے تو پھول بوؤ تاکہ تمھارا ماحول گُل زار بن جائے۔
- بدی کے اندھیرے صرف علم کی روشنی ہی سے چھٹ سکتے ہیں۔
- آنکھوں والا وہ ہے جو اپنے عیب اور دوسروں کے ہُنر دیکھے۔

مرسلہ: عرفان احمد، دائرہ دین پناہ

Habib Bank Limited

قائم شدہ ۱۹۴۱

ہم ان کے درخشاں مستقبل کے خواہاں ہیں!

حبیب بینک ایک ترقی پسند، متحرک، جدید بینک ملک کے اندر ۱۸۰۰ سے زیادہ اور بیرونِ ملک ۶۸ شاخوں، ۱۶۰۰ سے زیادہ غیر ملکی نمائندوں، کمپیوٹر تنصیبات، نت نئی اسکیموں اور سہولتوں کے ذریعے ملک کے مستقبل کے لئے حتی المقدور کوشاں ہے۔

ہماری بچت کی اسکیمیں اور طالب علموں کا خصوصی شعبہ بچوں اور طالب علموں میں بچت کی عادت ڈالنے کے لئے ہمہ وقت سرگرم عمل ہے۔

حبیب بینک ملک کی ترقی و خوشحالی کے لئے نئی نسل کی سرپرستی کرتا ہے۔

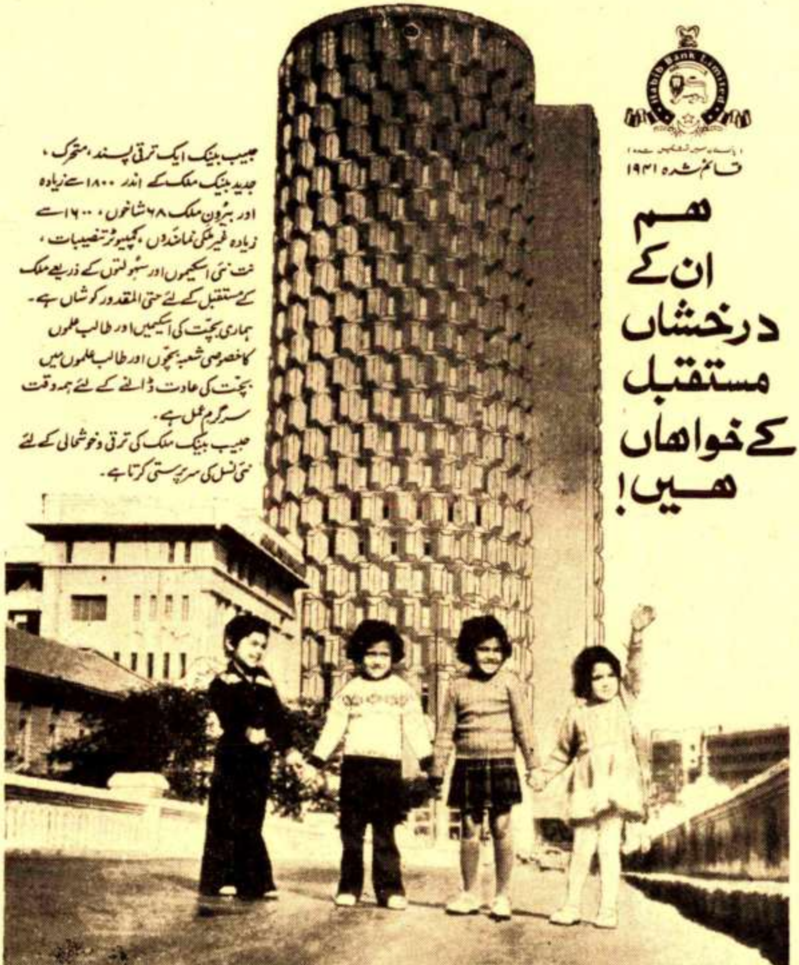

حبیب بینک لمیٹڈ

PID (I)/HBL/80/ 1 U

manhattan international

چیری
بلاسم
لکوئیڈ وائٹ
دیرپا صاف شفاف سفیدی
کامیاب کھلاڑیوں کا انتخاب
CHERRY
BLOSSOM
LIQUID WHITE CLEANER
CHERRY
BLOSSOM
ECONOMY
WITH APPL
اسکول ہو یا کھیل کا میدان اُجلے سفید جوتے
آپ کی شخصیت کو اجاگر کرتے ہیں
نہ اترنے والی چیری بلاسم لکوئیڈ وہائٹ پالش
سے اپنے جوتے، کرکٹ پیڈ وغیرہ
چمکدار اور اُجلے رکھیے
یہ پالش اپنی سفیدی اور چمک کو
برقرار رکھتی ہے
میدان میں آپ کی شخصیت کو اُجاگر کرتی ہے۔
چیری بلاسم
لکوئیڈ وائٹ

معلوماتِ عامہ

سلسلہ ۲۳۱

۱ - ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو آپ کے والد حضرت عبداللہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ آپؐ کی پرورش آپؐ کے دادا حضرت عبد المطلب کی سرپرستی میں ہوئی۔ بتائیے حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد نبی اکرمؐ کی پرورش کس نے کی؟

۲ - آپ کو معلوم ہے کہ غزوۂ بدر کس ہجری سال میں ہوا تھا؟

۳ - سود سے پاک یعنی نفع و نقصان میں شرکت کی بنیاد پر کھاتے (اکاؤنٹ) کھولنے کی ابتدا پاکستانی بینکوں میں کس تاریخ سے کی گئی؟

۴ - اسلامی کانفرنس کی تنظیم کے موجودہ سکریٹری جنرل کون صاحب ہیں؟

۵ - پاکستان میں اسٹروٹرف (ASTRO TURF) کب بچھایا گیا؟

۶ - بتائیے 'چراغ بہار' کس مشہور شاعر کا مجموعہ کلام ہے اور یہ کس زبان میں ہے؟

۷ - کیا یہ صحیح ہے کہ پہلی جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی تھی؟ یہ بھی بتائیے کہ یہ کس سنہ تک جاری رہی؟

۸ - ذرا ریاست ہائے متحدہ امریکا کے پہلے صدر کا نام تو بتا دیجیے۔

۹ - رقبے کے لحاظ سے براعظم افریقہ براعظم ایشیا سے بڑا ہے۔ کیا یہ بیان صحیح ہے؟

۱۰ - فونٹن پن بہت کام کی چیز ہے۔ اس کے مُوجِد کا نام تو آپ کو ضرور یاد ہو گا؟

۱۱ - عام بات ہے کہ ایک سال میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں، لیکن صحیح معنی میں ایک سال میں کتنے دن ہوتے ہیں؟

۱۲ - دنیا کا سب سے بڑا بند (ڈیم) پاکستان میں ہے۔ کیا یہ بیان صحیح ہے؟ بند کا نام بتائیے۔

صحت مند نونہال

محمد فرید بلوچ، کراچی

ذوالفقار احمد، کورنگی

عبدالرؤف عاکف، ملتان

عاطف شبیر پراچہ، کراچی

سید علی جعفر نقوی، حیدر آباد

عندلیب فاطمہ، حیدر آباد

سید حسنات گیلانی، راولپنڈی

محمد شاہد رحمان، کراچی

سید مسعود حسن زیدی، ٹھری میرواہ

محمد یعقوب، ٹنڈو آدم

علی محمد، ملیر کالونی

سیدہ نسیم فاطمہ، حیدر آباد

سیدہ تسنیم فاطمہ، حیدر آباد

سید لیاقت علی شاہ، لودھڑی

خرم عادل، حیدرآباد

شاہ بلیغ الدین، کراچی

ندیم رضا شاہ، راول پنڈی

فاروق الدین، کراچی

راشد زبیدی، سکھر

محمد عدنان، کراچی

محمد ذیشان ایوب، کراچی

سید عبدالمجید قادری، کراچی

طارق سعید، کراچی

طاہر حسن، راول پنڈی

شیراز احمد، کراچی

عبدالرزاق، سکھر

محمد اجمل، لیاقت پور

نعیم شہزاد، کراچی

انعام الحق، راول پنڈی

ظہیر الدین آفریدی، کراچی

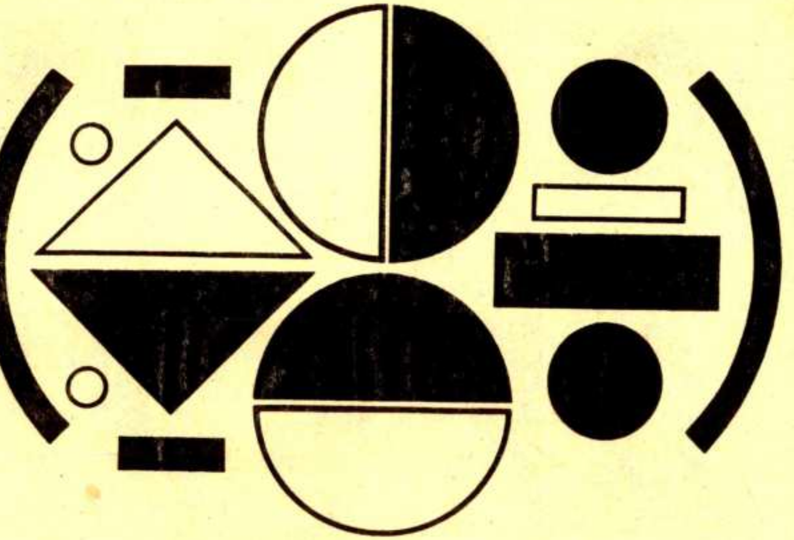

دل چسپ تصویریں بنائیے

آپ اگلے صفحے پر کئی ننھی مُنّی اور دل چسپ تصویریں دیکھ رہے ہیں ۔ یہ تصویریں آپ خود بھی بنا سکتے ہیں ۔ بس ذرا سی محنت کرنا ہو گی ۔ ایسی تصویریں بنانے کی ترکیب ہم آپ کو بتاتے ہیں ۔ آپ یہ تصویریں بنائیے ۔ ان تصویروں کو پہلے غور سے دیکھیے ۔ تصویر نمبر ایک میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بوڑھا آدمی کن ٹوپ پہنے بیٹھا ہو اور اس کی داڑھی چاروں طرف بکھری ہوئی ہو ۔ آپ کو یقیناً اس بوڑھے کو پہچاننے میں دشواری ہو رہی ہو گی ۔ اس کی وجہ یہ ہے صرف چند دائروں ، نیم دائروں ، قوس ، مثلث اور مستطیل کاغذ کے ٹکڑوں سے جو تصویریں بنائی جاتی ہیں وہ اسی طرح کی ہوتی ہیں ۔ انھیں علامتی تصویریں یا علامتی خاکے کہا جا سکتا ہے ۔ اب جس بوڑھے آدمی کا ہم نے ذکر کیا ہے اُس میں آنکھیں ، ناک اور منھ تو آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے ، لیکن منھ کے نیچے جو دو نصف دائرے ہیں وہ دراصل اس کی پھیلی ہوئی داڑھی کی علامت ہیں ۔

اسی طرح باقی تصویریں بھی ہیں ۔ مثلاً تصویر نمبر دو ایک مداری کی تصویر ہے جو ایک ساتھ دو گیندیں اچھالنے کا کرتب دکھا رہا ہے ۔ تصویر نمبر ۳ میں کوئی جانور سا بنا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ یہ لکڑی کا گھوڑا ہے ۔ ایسے گھوڑے آپ نے بہت دیکھے ہوں گے ۔ ہو سکتا ہے کہ جب آپ بہت ننھے منّے سے تھے تو اس پر بیٹھے بھی ہوں ۔ اس کے پیروں کے نیچے نیم دائرہ نما لکڑیاں لگی ہوتی

ہیں۔ بچّے جب ان پر بیٹھتے ہیں تو یہ گھوڑا آگے پیچھے ہلتا ہے۔ اس وقت بچّوں کو بڑا مزہ آتا ہے۔ تصویر نمبر چار ایک پھول کی ہے جس پر دو تتلیاں بیٹھنا چاہتی ہیں۔ پانچویں تصویر ایک ایسے لڑکے کی ہے جو پیروں میں اسکیٹ یعنی پہیّوں والے جوتے پہنے ہوئے ہے۔ چھٹی تصویر میں دو ننھے منّے پودوں کے درمیان ایک مکڑی ناچ رہی ہے۔ ساتویں تصویر میں ایک چوہے میاں کہیں بھاگے جا رہے ہیں۔ شاید بلّی سے بچنا چاہتے ہیں۔ آٹھویں تصویر میں دو چڑیاں کسی درخت کی ٹہنی پر بیٹھی ہیں۔ ان کے پیچھے چاند چمک رہا ہے۔

یہ تصویریں تو آپ کی سمجھ میں آگئیں، اب انھیں بنانے کا طریقہ بھی سمجھ لیجیے۔

ایک کالا اور ایک سفید کاغذ لیجیے، لیکن سفید کاغذ کے لیے اپنے اسکول کی کاپی نہ پھاڑ لینا، کیوں کہ اچھے بچّے اپنی پڑھنے کی کتابیں اور اسکول کی کاپیاں بہت صاف ستھری اور سلیقے سے سنبھال کر رکھتے ہیں۔ ان دو کاغذوں سے عنوان کے اوپر دیے ہوئے ڈیزائن کاٹ لیجیے۔ گول دائرے کاٹنے کے لیے پرکار استعمال کرنی پڑے گی۔ بڑے دائروں کے لیے کوئی پیالہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے اور چھوٹے دائروں کے لیے کوئی چھوٹی گول شیشی استعمال کی جا سکتی ہے۔ ہر ڈیزائن کی کئی کئی نقلیں بنا کر الگ الگ لفافوں میں رکھ لیجیے۔

مختلف ڈیزائنوں کے یہ کاغذ کے ٹکڑے تصویریں اور خاکے بنانے میں کام آئیں گے۔ آپ کو ایک خاکہ یا تصویر بنانے کے لیے تمام ٹکڑے استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ جب یہ سیٹ تیار ہو جائیں تو انھیں ایک رنگین کاغذ پر دیے ہوئے خاکوں کی طرح گوند سے چپکا دیجیے۔ اب جو تصویر سب سے اچھی بنی ہو اُسے اپنی باجی کو دکھائیے، اپنی امّی اور ابّو کو دکھائیے۔ اپنے اسکول کالج کے ساتھیوں کو دکھائیے۔ اپنی استانی اور اپنے استاد کو دکھائیے سب خوش ہوں گے۔ پھر اپنے البم میں احتیاط سے رکھ لیجیے۔ جب بھی فرصت ملے نئے نئے خاکے اور تصویریں بنانے میں صرف کیجیے۔ ہو سکتا ہے آپ ایک دن اچھے آرٹسٹ بن جائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

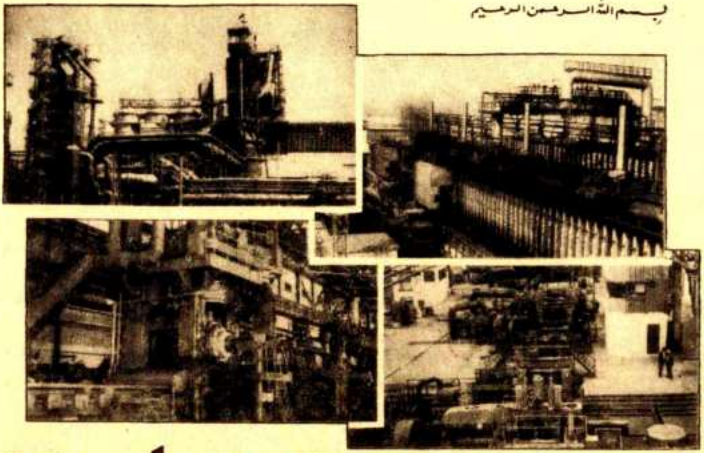

الحمدللہ

پاکستان اسٹیل اب پوری طرح اپنے پیداواری عمل کا آغاز کرچکا ہے

تقریباً تین سال سے زیادہ عرصے سے ہمارے کارخانے بلاسٹ فرنیس، کوک اوون بیٹری، سنٹرنگ پلانٹ اور تھرمل پاور پلانٹ بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں۔ اسٹیل میکنگ کمپلیکس اور بلٹ مل بھی دو سال سے زیادہ عرصے سے نہایت اطمینان بخش طور پر کام کررہے ہیں۔
ہاٹ اسٹرپ مل، جسکی تکمیل دسمبر ۱۹۸۳ء میں ہوئی، مسلسل مصروف کار ہے۔ کولڈ رولنگ مل بھی دسمبر ۱۹۸۴ء میں مکمل ہوچکا ہے اور اس کے تمام حصوں میں کام ہورہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور ہمارے انجینئروں، میٹالرجسٹوں ودیگر کارکنوں کی محنت کی بدولت پاکستان اسٹیل ہر طرح مکمل ہے اور ساتھ ہی.....

ایک عظیم مقصد بھی!

پاکستان اسٹیل

فولاد۔ مضبوط پاکستان کی بنیاد

PID (I)

manhattan International

نونہال مصوّر

سمانہ رضوی، خیرپور

محمد رضوان

ناہید فاطمہ، کراچی

عبدالستار بلوچ، کراچی

ڈائمنڈ عمانوائیل، لاہور

دانش اور فن کی روشنی
ہمیں دل و جان سے عزیز ہے

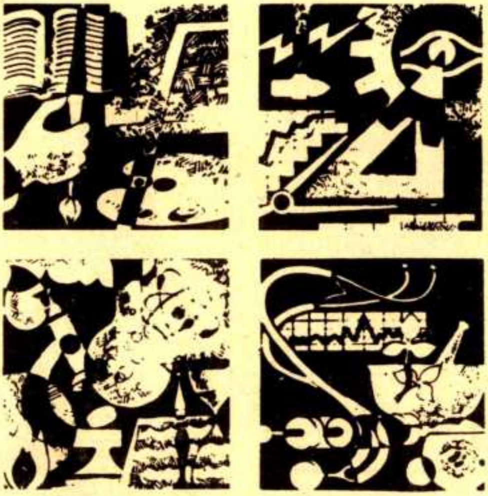

اسی جذبے کے تحت نیشنل بینک آف پاکستان نے معاشیات کی
نمایاں تصانیف پر سالانہ انعامات دینے کی طرح ڈالی نیز علمی مشاغل
کھیلوں اور ثقافت کی ترقی میں شامل ہے۔

نیشنل بینک آف پاکستان قومی ترقی قومی بینک

United PID-I-6/84

نونہال ادیب

بعض نونہال دوسرے شاعروں کی نظم نقل کرکے بھیج دیتے ہیں۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ ہم ایک ترکیب بتاتے ہیں۔ جو نظم آپ کو پسند آئے، اس کو نقل کرکے ہمیں بھیج دیجیے، لیکن جس شاعر کی نظم ہے اس کا نام اور جس رسالے یا کتاب سے نقل کی ہے اس کا نام بھی لکھ دیجیے۔ ہم آپ کا نام بھی لفظ مرسلہ کے ساتھ شائع کر دیں گے۔ اس طرح آپ کی بدنامی بھی نہیں ہو گی، لیکن زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ آپ خود لکھنے کی کوشش کریں۔

حمد

مرسلہ: حسن نظیر، کراچی

اے مالک مختار ہمارے
ہم کو دونوں جگ سے پیارے
کھیون ہار ہمارا تُو ہے
ہر مشکل میں سہارا تُو ہے

تیرے نام کے شیدائی ہم
تُو پربت ہے اور رائی ہم
ہم نابینا، تُو بینا ہے
تیرے لیے مرنا جینا ہے

ہم پر خاص نوازش کر دے
اپنے کرم کی بارش کر دے

نعت

مرسلہ: فرینہ باقی، حیدرآباد

خدا بھی مہرباں اُس پر کہ جس پر مہرباں تمؐ ہو
شہِ لولاک ہو، محبوبِ ربِّ دو جہاں تمؐ ہو

تمھیں اللہ نے کس پیار سے قرآں میں فرمایا
کہیں یٰسیں، کہیں طٰہٰ، کہیں حق کی زباں تمؐ ہو

تمھارے فیض سے سرسبز ہیں دنیا و دیں دونوں
گنہ گاروں کے ہادی، رحمتِ ہر انس و جاں تمؐ ہو

تمھیں نے اصل میں انسان کو انساں بنایا ہے
زمینِ عظمتِ انسانیت کے آسماں تمؐ ہو

سلام اے محسنِ انسانیتؐ! اے رحمتِ عالمؐ
شہِ دنیا و دیں ہو، رحمتِ کون و مکاں تمؐ ہو

چاے

بہرو مل انجم، بیلہ

کہتے ہیں کہ چاے کا سب سے پہلے استعمال چینیوں نے کیا، لیکن برصغیر پاک و ہند میں اسے انگریزوں نے اپنے دورِ اقتدار میں رواج دیا۔ آسام اور سابق مشرقی پاکستان میں باغات ان کی ملکیت تھے اور وہ انھیں تجارتی بنیادوں پر فروغ دینا چاہتے تھے۔ ۱۵۔۱۷۱۶ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کی تشہیر کے لیے بھرپور کوششیں کیں۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۹ء تک یہ برصغیر سے برآمد کی جانے لگی۔ اس طرح جہاں اس سے مالی فائدہ حاصل ہوا وہاں انھوں نے ہندستان کو اس کا عادی بنا کر خاصی دولت کمائی۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ۱۹۲۵ء تک متحدہ ہندستان کے باشندے چاے کے عادی نہ تھے اور انھیں اس سے کوئی دل چسپی نہ تھی۔ وہ غذا کے ساتھ دودھ لسّی پیتے، مقوی مشروبات استعمال کرتے تھے اور ان کی صحت قابلِ رشک ہوا کرتی تھی اور یہی بات ان کو گوارا نہ تھی۔ چناں چہ انھوں نے اپنے چاے کے باغات کے لیے زیادہ آدمی حاصل کرنے کی غرض سے ایک ٹی سیس بورڈ قائم کیا۔ چاے کو رواج دینے اور ہندستان کے صنعتی شہروں میں محنت کش آبادی کو چاے کا عادی بنانے کے لیے ایک منظم پروگرام پر عمل درآمد کیا گیا۔ ان آبادیوں میں انگریزوں کے مقرر کردہ کارندے چاے کے گشتی اسٹال لگاتے اور گلی گلی پھر کر اور دودھ شکر ملا کر ہر ایک کو مفت چاے پیش کرتے۔ یہ اسکیم بہت زیادہ کام یاب ہوئی۔ مزدوروں اور ان کے بچّوں کے علاوہ دوسری آبادی ان پھیری والوں کا انتظار کرتی۔ خواتین کے لیے چاے کے پیکٹ گھروں کے اندر پھینکے جاتے۔ اس طرح چاے گھر گھر پہنچانے کے لیے ان دنوں ایک نعرہ بھی ایجاد کیا گیا، جو بہت مشہور ہوا "گرمیوں میں گرم چاے ٹھنڈک پہنچاتی ہے۔" اس کے پوسٹر لگائے گئے۔ اخبارات میں بڑے بڑے اشتہارات شائع کرائے گئے۔ غرض کہ چاے کو قبولیتِ عام دلانے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا گیا۔ لوگ جوق در جوق چاے کے اسٹالوں پر آنے لگے۔ اور مفت کی چاے کا انتظار کرنے لگے۔ دوسری طرف گشتی جماعتوں کی تعداد بھی رفتہ رفتہ کم کی جانے لگی اور ان کی جگہ چاے کے ہوٹل کھلنے لگے۔ چناں چہ جب لوگوں کو انتظار کے بعد گشتی اسٹالوں سے واپسی ہو جاتی تو وہ ہوٹلوں اور دکانوں کا رُخ کرتے اور اس طرح چاے خرید کر پینے کا سلسلہ چل نکلا۔

آج چاے نے سارے معاشرے میں مشروبات سے بڑھ کر ایک غذائی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ بچّے، بوڑھے، جوان، مرد اور عورت اس کے شیدائی نظر آنے لگے ہیں۔ روٹی نہ ملے تو گزارہ ہو سکتا ہے لیکن چاے کے بغیر چند گھنٹے بھی گزارہ مشکل ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ٹھنڈے مشروبات کے مقابلے میں چاے ایک گرم

اور ستا مشروب ہے، جس سے وقتی طور پر تسکین ہونے لگتی ہے۔ چائے خون میں گرمی پیدا کر کے اس کی گردش تیز کر دیتی ہے اور پینے والا اپنے اندر چستی اور توانائی محسوس کرتا ہے، لیکن یہ بالکل عارضی ہوتی ہے۔ طبی ماہرین کے نزدیک اس کے ایک کپ میں چار حرارے (کلوریز) ہوتے ہیں اور ساتھ ہی وٹامن بی کمپلیکس بھی۔ مگر اس میں ٹکوٹین ایسڈ کا زہر بھی ہوتا ہے جو انسان کے دل و دماغ کے علاوہ اس کی آنتوں کو خشک کرتا ہے اور ان میں سوزش پیدا کر دیتا ہے۔ کیفین ایک زہریلا جزو ہوتا ہے جو چائے میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی انسانی آنتوں کے لیے سم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے۔ کیفین کا بیش تر حصّہ چائے کے پودوں کی کونپلوں میں ہوتا ہے اس کی مقدار چار سے پانچ فی صد تک ہوتی ہے۔ جو چائے اس کی ٹہنیوں اور شاخوں سے تیار کی جاتی ہے اس میں اس کی مقدار کم ہو جاتی ہے غلط اور غیر محفوظ طریقے سے اس کا وٹامن بی کمپلیکس ضائع ہو جاتا ہے اور کیفین اور ٹکوٹین کے اجزا ہی باقی رہ جاتے ہیں جو انسانی صحت کو سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ اطبا کا خیال ہے کہ چائے کا زیادہ استعمال معدے، دل اور گردوں کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اس سے دماغ اور آنکھوں کی بینائی پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ چائے میں اگرچہ آنتوں کو قوت بخشنے والا ایک جزو ہے، لیکن چائے تیار کرتے وقت یہ ضائع ہو جاتا ہے۔

یہ تو تھا چائے کا مضرِ صحت پہلو، لیکن ہمارے ملک میں اس کا ایک اور پہلو بھی ہے اور وہ ہے مُضرِ معیشت، چائے جہاں ہمارے ملک و قوم کی صحت کا دیوالیہ نکال رہی ہے وہاں ہماری معیشت کو بھی مسلسل نقصان پہنچا رہی ہے۔

ڈاک ٹکٹ

عدنان بٹ، فیصل آباد

۱۔ جس ٹکٹ پر "SVEIGE" لکھا ہوتا ہے وہ سویڈن کا ہوتا ہے۔

۲۔ جس ٹکٹ پر "MAGYAR POSTA" لکھا ہو وہ ہنگری کا ہوتا ہے۔

۳۔ جس ٹکٹ پر کسی ملک کا نام نہ ہو وہ برطانیہ کا ہوتا ہے۔

۴۔ جس ٹکٹ پر "NIPPON" لکھا ہو وہ جاپان کا ہوتا ہے۔

۵۔ جس ٹکٹ پر "NORGE" لکھا ہو وہ ناروے کا ہوتا ہے۔

۶۔ جس ٹکٹ پر "C.C.C.P" لکھا ہوتا ہے وہ روس کا ہوتا ہے۔

۷۔ جس ٹکٹ پر "D.D.R" لکھا ہو وہ عوامی جمہوریہ جرمنی کا ہوتا ہے۔

۸۔ جس ٹکٹ پر "JORDAN" لکھا ہو وہ اُردن کا ہوتا ہے۔

۹۔ جس ٹکٹ پر "ΕΛΛΑΣ" لکھا ہو وہ یونان کا ہوتا ہے۔

۱۰۔ جس ٹکٹ پر "EGYPT" لکھا ہو وہ مصر کا ہوتا ہے۔

۱۱۔ جس ٹکٹ پر "POSTAROMANA" لکھا ہو وہ رومانیہ کا ہوتا ہے۔

کیسا بیانکا

اظہر سعید، جھنگ صدر

آج میں آپ کو ایک ایسے بچّے کی فرماں برداری کی داستان سُنا رہا ہوں جو یقیناً بہت عظیم تھا۔ اس کہانی کو پڑھ کر آپ بھی اُسے خراجِ تحسین پیش کیے بغیر نہ رہ سکیں گے۔ یہ کہانی آپ نے پڑھی ہو تب بھی بار بار پڑھنے کے قابل ہے۔

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ملک یونان میں جیکسن نامی ایک شخص رہا کرتا تھا، جو ایک بحری جہاز کا کپتان تھا۔ اس کا ایک بیٹا بھی تھا جس کا نام تھا "کیسا بیانکا"۔ جب کیسا بیانکا کی عمر دس سال ہوئی تو جیکسن ایک دفعہ بحری سفر پر اُسے اپنے ساتھ لے گیا۔ کیسا بیانکا نے پہلی دفعہ سمندر کی سیر کی تو بہت خوش ہوا۔ وہ ایک ماہ تک سمندر میں سفر کرتے رہے کہ اچانک ایک رات ان کے جہاز پر بحری قزاقوں کا گروہ حملہ آور ہو گیا۔ جیکسن نے کیسا بیانکا کو عرشے کے ایک محفوظ مقام پر کھڑا ہونے کا حکم دیا اور خود قزاقوں کا مقابلہ کرنے کے لیے جہاز کے عرشے پر چلا گیا۔

قزاقوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ چناں چہ جیکسن اور اس کا عملہ اُن کا مقابلہ نہ کر سکا۔ جیکسن اور اس کے بہت سے ساتھی اس جنگ میں مارے گئے۔ اتنے میں ایک گولا جہاز پر آ کر گرا اور جہاز میں آگ لگ گئی۔ جہاز پر موجود قزاقوں کے ہاتھوں بچ نکلنے والے لوگ جانیں بچانے کے لیے حفاظتی کشتیوں کی مدد سے سمندر میں کودنے لگے۔ انھوں نے کیسا بیانکا کو بھی بھاگنے کے لیے کہا، مگر اس نے جواب دیا، "جب تک میرے ابّا جان مجھے یہ جگہ چھوڑنے کی اجازت نہ دیں میں یہاں سے کیسے جا سکتا ہوں؟"

اس بے چارے کو کیا معلوم کہ اس کا باپ مارا جا چکا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں جہاز خالی ہو چکا تھا۔ تمام لوگ جا چکے تھے۔

کیسا بیانکا نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ آگ تیزی سے جہاز پر پھیلتی جا رہی تھی۔ وہ چلّایا، "ابّا جان! کیا میں اپنی جان بچانے کی خاطر یہ جگہ چھوڑ دوں؟" مگر اسے کوئی جواب نہ ملا۔ لکڑی کے تختوں کے جلنے کی چرچراہٹ میں شدّت آ گئی تھی اور وہ دھڑا دھڑ جل جل کر گرنے لگے تھے۔ آگ کیسا بیانکا کے اتنے قریب آ چکی تھی کہ تپش اس کی برداشت سے باہر ہونے لگی اور دھوئیں سے اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے چیخ کر کہا، "پیارے ابّا جان! تم کہاں ہو؟ آگ مجھے جلا کر راکھ کرنے والی ہے۔ کیا میں یہاں سے بھاگ سکتا ہوں؟" مگر بے سود، جہاز پر کوئی موجود ہوتا تو اس بے چارے کو جواب دیتا۔

اب آگ کے شعلے لمبی لمبی زبانیں نکالے کیسا بیانکا

کی طرف لپک رہے تھے۔ مگر وہ بہادر اور فرماں بردار لڑکا اپنی جگہ سے ایک انچ بھی نہ ہلا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے باپ کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے۔ اتنے میں جہاز کا بڑا مستول جل کر ایک زور دار دھماکے سے گرا اور جہاز پر موجود ہر چیز تباہ و برباد ہو کر رہ گئی، مگر سب سے زیادہ قیمتی چیز جو اس جہاز پر تباہ ہوئی وہ ایک انتہائی معصوم، دلیر، فرماں بردار اور عظیم لڑکا تھا جس کا نام تھا "کیسا بیانکا"۔

پاکستانی پرچم

مرسلہ: سید رفیع اللہ بلوچ، صوابی

چاند ستارے والا پرچم
ہر پرچم سے اعلا پرچم
فطرت سے سیراب رہے گا
سرسبز و شاداب رہے گا
آنکھوں کا ہے اُجالا پرچم
چاند ستارے والا پرچم
اس سے قائم شان ہماری
اس سے ہے پہچان ہماری
ہے اپنا تو حوالہ پرچم
چاند ستارے والا پرچم
اس کو اونچا رکھیں گے ہر دم
رشک کرے گا سارا عالم

اِسکیمو

شائمہ کنول، نواب شاہ

اسکیموز لفظ کا مطلب ہے "کچّا گوشت کھانے والے"۔ اسکیمو شمالی میدانوں میں رہتے ہیں، جو زمین کا سب سے ٹھنڈا حصّہ ہے۔ اب ہم آپ کو ان حیرت ناک انسانوں اور ان کے رہن سہن کے بارے میں بتاتے ہیں۔ سردیوں میں ہم بہت سُستی محسوس کرتے ہیں۔ کوئی گرم بستر سے باہر نکلنا نہیں چاہتا۔ ہم گرم کپڑے پہنتے ہیں اور کمروں میں حرارت کے لیے آگ جلاتے ہیں، لیکن اسکیمو کے پاس مستقل یا مناسب گھر نہیں ہوتے۔ وہ برف کے بنے ہوئے گھروں میں رہتے ہیں۔ یہ گھر "اگلو" (Igloo) کہلاتے ہیں۔ ان میں نہ کھڑکیاں ہوتی ہیں اور نہ دروازے۔ یہ گھر دُور سے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کسی نے پیالا اوندھا کر کے رکھ دیا ہو۔ اس میں صرف ایک چھوٹا سا دروازہ ہوتا ہے، جس میں سے گھٹنوں کے بل گزرا جا سکتا ہے۔ جب گھر کے سارے افراد گھر کے اندر چلے جاتے ہیں تو یہ دروازہ برف کے ایک ٹکڑے سے بند کر دیا جاتا ہے۔ بہت سے خاندان ایک ساتھ رہتے ہیں، کیوں کہ یہ گھر (اگلو) اندر سے آرام دہ یا کھو کھلے ہوتے ہیں اور کافی چوڑے ہوتے ہیں۔ ان کے پاس نہ فرنیچر ہوتا ہے نہ کمبل یا بستر۔ یہ اپنے گھر میں روشنی کے لیے "سیل" نامی ایک مچھلی کی چربی سے تیل بنا کر تیل کے لیمپ جلاتے ہیں، جن کی وجہ سے کچھ حرارت پیدا ہوتی ہے۔ ان علاقوں میں سارا سال برف جمی رہتی ہے،

اس لیے یہاں فصلیں نہیں ہوتی ہیں۔ یہاں سردی کے باعث کوئی جانور نہیں ملتا، لہٰذا یہاں کے لوگ (اسکیمو) مکھن، پنیر، انڈے، دودھ، گوشت وغیرہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ وہ سبزیوں کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ وہ صرف ایک ہی قسم کا کھانا کھاتے ہیں جو وہ سمندر سے حاصل کرتے ہیں اور وہ ہے سیل مچھلی۔ یہ مچھلی وہ برف میں چھید کرکے پانی سے پکڑتے ہیں۔ اسکیمو اس کا گوشت کھاتے ہیں۔ اس کی چربی سے لیمپ جلاتے ہیں۔ اس کی کھال سے کپڑے وغیرہ بناتے ہیں۔ چھے مہینے تک اس علاقے میں سورج نہیں نکلتا۔ جب گرمیاں آتی ہیں تو ان کے گھر یعنی اگلو پگھلنے لگتے ہیں۔ ان کے پاس سامان اٹھانے کے لیے گاڑیاں نہیں ہوتیں بلکہ ایک قسم کی گاڑی ہوتی ہے جس کو "سلیج" کہتے ہیں۔ ہر خاندان اپنے پاس ایک "سلیج" رکھتا ہے۔ ان گاڑیوں میں پہیے نہیں ہوتے بلکہ کتوں کا گروہ ان کو کھینچتا ہے۔ کہیں کہیں اسکیمو برف کے گھروں کے بجائے گارے، مٹی، پتھر کی مدد سے اپنے گھر بناتے ہیں۔ چند ایک کے بچے گرمی کے دنوں میں اسکول بھی جاتے ہیں یا پھر گھر میں پڑھتے ہیں۔ اسکیمو بہتر سے بہتر کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھیں یقین ہے کہ ایک دن وہ موجودہ دنیا تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ (ترجمہ)

گرمی کی چھٹیاں کیسے گزاریں

نبی بخش گشکوری، مظفر گڑھ

موسم گرما کی چھٹیاں جون کے شروع میں ہوتی ہیں۔ گرمی کے موسم میں لمبے عرصے کی یہ چھٹیاں بڑی نعمت ہیں، کیوں کہ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں جب اسکول سے واپس آنا پڑے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ پھر اسکول میں بھی سخت گرمی کی وجہ سے پڑھائی ٹھیک سے نہیں ہوتی۔

اس مرتبہ سوچا ہے کہ ان چھٹیوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں نے ایک چھوٹا سا پروگرام بنایا ہے۔

میں چھٹیوں میں ہر رات کو جلد سو جایا کروں گا اور صبح موذن کی اذان کے ساتھ جاگا کروں گا۔ میرا سب سے پہلا کام فجر کی نماز ادا کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ایک گھنٹے کے لیے سیر کرنے باغ میں جاؤں گا۔ واپسی پر نہا دھوکر ناشتا وغیرہ کرکے ٹائم ٹیبل کے مطابق استادوں کے دیے ہوئے چھٹیوں کے کام کو روزانہ باقاعدگی سے کروں گا۔ پھر تھوڑی دیر کے لیے بھائی بہنوں سے گپ شپ کروں گا۔ اس کے بعد دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر سستالوں گا۔ پھر چار بجے تھوڑا سا پڑھوں گا۔ ہاکی میرا پسندیدہ کھیل ہے۔ چھے بجے تک میدان میں کھیلوں گا۔ شام کو کھانا کھانے کے بعد میں سب سے اِدھر اُدھر کی باتیں کروں گا اور ریڈیو سنوں گا۔ جب رات کی خبریں ختم ہو جائیں گی تو میں بستر پر لیٹ جاؤں گا۔

یہ تو ہوا گھر پر رہنے کی صورت میں میرا پروگرام۔ اس کے علاوہ میں دس پندرہ دن کے لیے اپنے ماموں کے ہاں جاؤں گا۔ اپنے بھائی سلیم کے ساتھ مری کی سیر

کروں گا۔ بڑا مزہ آئے گا۔ میں نے ابھی تک پہاڑ نہیں دیکھا۔ مگر سُنا ہے کہ پہاڑ پر گرمی کے دنوں میں لوگ گرم کپڑے پہنتے ہیں۔ پھر پہاڑ پر جا کر ہمیں قدرت کے حسن کا احساس ہو گا۔ طرح طرح کے پھول، درخت اور پھل، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ۔ کتنا لطف رہے گا۔ پہاڑ پر جانا بھی صحت کے لیے بہت مفید ہوتا ہے۔

بندر اور لڑکا

مرسلہ: زاہدہ قاص، میر پور خاص

مجھ کو کہہ کر بندر بندر مار رہا ہے تو کیوں پتھر
شہروں کے سب لڑکے بالے میرے گن ہیں دیکھے بھالے
پھرتا ہوں جب ڈالی ڈالی گھبراتے ہیں مجھ سے مالی
مجھ سے ڈرتے ہیں حلوائی مجھ سے عاجز ہیں سب نائی
ظاہر ہے چالاکی میری روشن ہے بے باکی میری
چرچا جنگل جنگل میرا لڑکے دیکھیں دنگل میرا
ایک نہ ہو گا پایا ایسا جانوروں میں ہوں میں جیسا
چھوڑوں باتیں انسانوں کی نقل اتاروں حیوانوں کی
کیا کہتے ہو بھائی بندر منہ تو دیکھو لال چقندر
پچکے پچکے گال تمہارے بھورے بھورے بال تمہارے
بے شک ہو تم بڑے سیانے پڑھے پڑھائے گھاگ پرانے
رگ رگ میں ہے بھری شرارت کرتے ہو تم چیزیں غارت
خوں خوں کر کے ڈھنگ نرالے ہاتھ اٹھائے دانت نکالے
بچّوں کو جب تنہا پایا بندر نے بھبکی سے ڈرایا
لیکن میں نے جب للکارا پاؤں پیچھے ہٹا تمہارا
ڈر کے پہنچے بن کے اندر رہے وہی بندر کے بندر

ہمدرد نونہال، جولائی ۱۹۸۵ء

ترقی کا راز

محمد کامران، بہاول پور

یہ امر مسلّمہ ہے کہ کوئی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک اس قوم کے لوگ بچت کی عادت کو نہیں اپناتے۔ بچت پر ملکی ترقی اور بقا کا انحصار ہے لیکن ہمارے ملک پاکستان میں نمود و نمائش اتنی بڑھ گئی ہے کہ لوگ لاکھوں رُپے غیر ضروری رسموں پر خرچ کر دیتے ہیں۔ اگر یہی رُپیہ ملک کے کام آجائے تو صنعت ترقی کرے گی، معیشت کو فروغ ہو گا اور ہمارا پاکستان ترقی کی راہوں پر گامزن ہو جائے گا، لیکن ......

خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

حضور اکرم ؐ کا فرمان ہے کہ میانہ روی اختیار کرو یعنی نہ فضول خرچی کرو نہ بُخل سے کام لو۔ ہم میانہ روی اختیار کر سکتے ہیں۔ سادہ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ بچت کی عادت ڈال سکتے ہیں، لیکن افسوس ہم میں نمائش کی عادت اتنی رچ بس گئی ہے اور ہم ایسے خول میں بند ہو گئے ہیں کہ جہاں سے نکلنا ہمارے بس سے باہر ہے۔ اگر ہم ذرا سی ہمت کریں اور ہم نے فضول خرچی کا جو لبادہ اوڑھ رکھا ہے، اُسے اُتار پھینکیں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہمارے ملک و قوم کی بھلائی اسی میں ہے۔ مثل مشہور ہے کہ قطرہ قطرہ دریا بنتا ہے اور پیسہ پیسہ رُپیہ بن جاتا ہے۔ اگر آج کا نونہال تھوڑا بہت بچائے اور پیسے فضول چیزوں میں خرچ نہ

کرے تو کل اس کے پاس بہت سے رُپے اکھٹے ہو جائیں گے۔ جن سے وہ اچھی اچھی کتابیں خرید کر مطالعہ کر سکے گا۔ میں خود بھی رسالہ ہمدرد نونہال پیسے بچا کر خریدتا ہوں۔ نونہالوں کی بچت کل اُن کے کام آئے گی اور اپنے پیارے ملک کے کام آئے گی۔ اگر نونہال بچپن ہی سے فضول خرچی کریں گے تو ان سے بڑے ہو کر ملکی ترقی کے کاموں میں حصّہ لینے کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ ایک غریب آدمی جو تھوڑا بہت کماتا ہے، لیکن بچاتا ہے، وہ ایک فضول خرچ امیر سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ فضول خرچی سے تو قارون کا خزانہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ فضول خرچی کی وجہ سے آپ کے پاس کچھ نہیں بچے گا تو کل آپ کو آرام و آسائش کہاں سے میسر ہو گا۔ اگر ہم سوچیں اور غور کریں کہ کس طرح ہماری صنعت و حرفت اور معیشت کو فروغ مل سکتا ہے تو آپ کی نگاہیں ایک ہی نقطے پر مرکوز ہو جائیں گی اور وہ نقطہ ہے بچت۔ پاکستان کے غیر ترقی یافتہ ہونے کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ بچت کا تناسب تمام ترقی پذیر ممالک سے کم ہے۔ میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ فضول خرچی ملکی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

ایک محبِ وطن نونہال ہونے کی حیثیت سے میرا یہ فرض ہے کہ میں یہ کہوں کہ ہماری ترقی کا راز بڑی حد تک بچت میں پوشیدہ ہے۔

کم سِن شہید

رضوان آصف، سیال کوٹ

۲۰ اگست ۱۹۷۱ء کو پاک فضائیہ کے تربیت پانے والے ہوابازوں کا ایک دستہ اپنی مشقی پرواز پر روانہ ہونے کے لیے تیار تھا۔ تمام نوجوان پائلٹ اپنے اپنے طیارے میں اگلی نشست پر پرواز کے لیے بالکل تیار بیٹھے تھے کہ رن وے پر ایک موٹر نظر آئی۔ اس نے ایک طیارے کی طرف غور سے دیکھا جس میں بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں والا چست بدن کا ایک نوعمر ہواباز اپنا طیارہ چلانے ہی کو تھا کہ استاد نے اسے ہاتھ کے اشارے سے رُک جانے کا حکم دیا اور بڑی پھرتی سے طیارے کے قریب پہنچ گیا۔ نوعمر ہواباز استاد کے حکم سے رُک گیا۔ استاد طیارے میں بیٹھ گیا۔ یہ عجیب بات تھی کہ ایسی پروازوں پر تربیت پانے والے ہواباز اکیلے ہی جاتے تھے۔ استاد نے نہ صرف کاک پٹ پر قبضہ کر لیا بلکہ اس کو اُڑانا شروع کر دیا۔ لڑکا اس کی حرکت سے پہلے ہی حیران تھا، اب تو اس شخص کے ارادے صاف ظاہر ہونے لگے تھے۔ وہ غدّار تھا اور طیارے کو بھارت لے جانا چاہتا تھا۔ اُس کا طیارہ بھارتی سرحد سے چونسٹھ کلو میٹر دور رہ گیا تھا وہ پہلے ہی چوکنّا ہو چکا تھا۔ اپنے سے دُگنے طاقت ور اور تجربہ کار استاد کو اس حرکت سے باز رکھنے کے لیے ایک ہی طریقہ تھا اور اس نے یہ طریقہ پاک فضائیہ کے جاں باز افسروں کی ہدایت و روایت کے عین مطابق بڑے حوصلے اور

سکون کے ساتھ اختیار کیا۔ اس نے کنٹرول ٹاور سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ اسی کش مکش کے دوران یہ الفاظ کنٹرول ٹاور کراچی میں سنائی دیے: "میرے طیارے کو اغوا کیا جارہا ہے۔ غدّار کے ساتھیوں کو ہندُستانی سفارت خانے میں پناہ لینے سے روکو۔" اس کے بعد کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اس نے طیارے کا رُخ زمین کی طرف موڑ دیا اور اُسے زمین سے ٹکرا کر تباہ کردیا۔ اس نوجوان ہوا باز نے ادائے فرض کی خاطر اپنی جان قربان کردی لیکن خفیہ کاغذات دشمن تک نہ پہنچنے دیے۔ یہ پاک فضائیہ کا نوعمر کیڈٹ راشد منہاس تھا۔ راشد کو اس کی شان دار خدمات کے عوض نشانِ حیدر سے نوازا گیا۔ جس جگہ طیارہ ٹکرایا، وہ کراچی سے شمال مشرق کی جانب دریائے سندھ کے مغربی کنارے سے سو کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

اچھے کام

مرسلہ: عامر افتخار احمد، نواب شاہ

اچھے اچھے کام کرو تم
نیکی صبح شام کرو تم
ناکامی سے مت گھبرانا
منزل اپنی پاؤ گے تم
علم کی دولت حاصل کر کے
اس کو جگ میں عام کرو تم
رب کو راضی کرتے رہنا
مظلوموں سے پیار کرو تم
سب سے جگ میں الفت کرنا
الفت کو بس عام کرو تم

تیر انداز

سید محمد سہیل ہاشمی، لانڈھی

نجم طہانی، جہانگیر کے دربار کا ایک سرکردہ امیر تھا۔ تیر اندازی میں دنیا میں کوئی اس کا ثانی نہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے بادشاہ کے سامنے اپنے کمال کا مظاہرہ کیا۔ اس کے آگے شیشے کی ایک بوتل رکھی گئی۔ اس کے بعد موم سے مکھی کی شکل کی ایک مورت بنا کر بوتل پر چپکا دی گئی۔ پھر اس پر چاول کا دانہ اور رائی کا دانہ رکھ دیا گیا۔ نجم نے تیر چلایا۔ اس کا پہلا تیر رائی کے دانے پر اور دوسرا چاول کے دانے پر لگا۔ تیسرے تیر نے موم کی بنی ہوئی مکھی کو گرا دیا، لیکن بوتل ثابت رہی۔

عِلم

شبانہ بٹ، کراچی

- علم ایسی دولت ہے جس سے جاہل آدمی عقل مند ہوتا ہے۔
- علم ایسی دولت ہے جو خرچ کرنے سے بڑھتی ہے۔
- علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

○ علم وہ دولت ہے جس کو زوال نہیں آتا۔

○ علم ایک ایسا بادل ہے جس سے رحمت ہی برستی رہتی ہے۔

○ ستارے آسمان کی زینت ہیں اور تعلیم یافتہ انسان زمین کا زیور ہے۔

○ چاند کے بغیر آسمان بے کار ہے اور علم کے بغیر ذہن۔

میری بہن

مرسلہ: ثروت رحمٰن، کراچی

میری بہن ہے ننھی منّی
پیار سے سب کہتے ہیں چنّی
گورے گورے گالوں والی
پیارے پیارے بالوں والی
میٹھے گیت سناتی ہے وہ
ہم کو بہت ستاتی ہے وہ
رنگ ہے اُس کا سرخ انار
سارے گھر کی ہے وہ بہار

ہندسوں کی کرامتیں

محمد عترت کاظمی، ملتان

علم الاعداد بادی النظر میں ایک خشک سا موضوع ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ آپ اس پر جتنا غور کریں گے اتنی ہی نئی حقیقتیں آپ پر منکشف ہوں گی۔ ہندسوں کی جمع تفریق گورکھ دھندا سہی مگر ان کی خشک ہندسوں میں عجیب و غریب راز پوشیدہ ہیں۔ ہم یہاں چند مثالیں لکھتے ہیں:۔

۱۔ ۵ عددوں والی کوئی سی رقم تصور میں لا کر اُسے گیارہ اور پھر ۹۰۹۱ سے ضرب دیں۔ ضرب میں بنیادی رقم دو دفعہ ظاہر ہو گی۔ مثال ملاحظہ ہو۔

فرض کیجیے ۵ عددوں والی رقم ۲۳۷۴۲ ہے۔ اسے گیارہ سے ضرب دیں

۲۳۷۴۲
× ۱۱
۲۶۱۱۶۲
× ۹۰۹۱ (پھر ۹۰۹۱ سے ضرب دیں)
۲۳۷۴۲،۲۳۷۴۲

جواب میں ۲۳۷۴۲ دو دفعہ ساتھ ساتھ آیا ہے۔

۳۷ ایک عجیب و غریب عدد ہے۔ اسے ۳ اور ۳ کے فرق سے آنے والے ۲۷ تک کے تمام اعداد سے باری باری ضرب دیں، جواب میں ہندسوں کی قدرتی ترتیب ہو گی۔ مثلاً

۳ × ۳۷ = ۱۱۱
۶ × ۳۷ = ۲۲۲
۹ × ۳۷ = ۳۳۳
۱۲ × ۳۷ = ۴۴۴
۱۵ × ۳۷ = ۵۵۵
۱۸ × ۳۷ = ۶۶۶
۲۱ × ۳۷ = ۷۷۷

۲۴ × ۳۷ = ۸۸۸

۲۷ × ۳۷ = ۹۹۹

۳ ۔ یہی حال ۳۳۶۷ کے ہندسے کا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

۳۳ × ۳۳۶۷ = ۱۱۱۱۱۱

۶۶ × ۳۳۶۷ = ۲۲۲۲۲۲

۹۹ × ۳۳۶۷ = ۳۳۳۳۳۳

۱۳۲ × ۳۳۶۷ = ۴۴۴۴۴۴

۱۶۵ × ۳۳۶۷ = ۵۵۵۵۵۵

۴ ۔ ۹۱ کا عدد بھی بہت عجیب ہے۔ حاصل ضرب میں ہندسے اوپر سے نیچے خاص ترتیب سے واقع ہوتے ہیں۔ ذرا دیکھیے :۔

۱ ۔ ۹۱ × ۱ = ۹۱	(۲) ۹۱ × ۵ = ۴۵۵
۹۱ × ۲ = ۱۸۲	۹۱ × ۶ = ۵۴۶
۹۱ × ۳ = ۲۷۳	۹۱ × ۷ = ۶۳۷
۹۱ × ۴ = ۳۶۴	۹۱ × ۸ = ۷۲۸
	۹۱ × ۹ = ۸۱۹

۵ ۔ ایک اور عجیب اور منفرد مثال ملاحظہ ہو۔ دو جیسا معمولی عدد جمع کرتے سے سوال کیا رُخ اختیار کر لیتا ہے :۔

۱۲۳۴۵۶۷۸۹
۹۸۷۶۵۴۳۲۱
۱۲۳۴۵۶۷۸۹
۹۸۷۶۵۴۳۲۱
۲ +
۲۲۲۲۲۲۲۲۲۲

خواب کی تعبیر

پرکاش کمار پروانہ، شہداد کوٹ

کسی شہر میں ایک بہت بڑا تاجر شبیر رہا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سب نعمتوں سے نوازا تھا، مگر ایک نعمت سے محروم رکھا تھا، اور وہ نعمت تھی اولاد۔ شبیر بہت متقی اور پرہیزگار شخص تھا، روزانہ نماز میں اولاد کے لیے دعا کرتا۔ آخر خدا نے اس کی سُن لی اور ایک چاند سا بیٹا عطا کیا، جس کا نام شیراز رکھا گیا۔ شبیر نے بڑی دھوم دھام سے جشن کا اہتمام کیا۔ غریبوں کو کھانا کھلایا۔

جب شیراز پانچ سال کا ہوا تو شبیر نے اسے اسکول میں داخل کروادیا۔ شیراز ہر سال اوّل پوزیشن حاصل کرتا۔ ذہین اور محنتی ہونے کی وجہ سے سب استاد اُس کو پسند کرتے تھے۔ شیراز کے والدین کی خواہش تھی کہ شیراز بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے، ملک و قوم کی خدمت کرے، غریبوں کی امداد کرے۔ ابھی شیراز دسویں میں ہی تھا کہ اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔

کچھ عرصہ گزرنے کے بعد لوگوں نے شبیر سے اصرار کیا کہ وہ دوسری شادی کرے، لیکن شبیر نہیں مانا اور کہا کہ میں دوسری شادی نہیں کروں گا۔ میں شیراز پہ سوتیلی ماں کے ظلم و ستم برداشت نہیں کر سکتا۔

اب شبیر بوڑھا ہو چلا تھا اور اکثر بیمار رہتا تھا۔ لیکن اب شیراز کے ڈاکٹری پاس کرنے میں تھوڑے ہی دن رہ گئے تھے۔

ایک دن اچانک شبیر کو دل کا دورہ پڑا۔ شیراز دوڑ کر ڈاکٹر کو بلا لایا۔ ڈاکٹر نے معائنے کے بعد کہا کہ انھیں ہسپتال میں داخل کروانا پڑے گا۔

چناں چہ شبیر کو ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا اور ڈاکٹروں کی کوششوں سے شبیر کی جان بچ گئی۔

جب شبیر ہسپتال سے گھر لوٹ کر آیا تو ڈاکیا ایک لفافہ دے گیا۔ یہ لفافہ یونی ورسٹی کی طرف سے آیا تھا۔ جس میں شیراز کے پاس ہونے کی اطلاع تھی۔ شیراز خوش ہو گیا۔ شبیر کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے کیوں کہ اس کے خواب کی تعبیر پوری ہو چکی تھی۔

پھول

مرسلہ: صائمہ حسن، کراچی

باغ میں رنگ برنگے پھول
سونگھو تو اِک لطف سا آئے
اتنی پیاری ہے خوش بُو
صبح کو شبنم منھ دُھلوائے
جس سے نکھرے ان کا روپ
ان کے دَم سے باغ ارم ہے
دیکھ کے خوش ہو جائے روح
باغ میں رنگ برنگے پھول

انھیں بھی حق ہے جینے کا

یاسمین مرزا، ناظم آباد

"عید کا چاند نظر آ گیا!" گلی میں شور مچ گیا۔ صمد بھی اپنے خوب صورت سے گھر کی چھت پہ کھڑے ہو کر چاند دیکھنے لگا۔ کافی دیر کی کوشش کے بعد آخر اس کو بھی چاند نظر آ گیا۔ اس نے دُعا مانگی اور خوشی خوشی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے آ گیا۔ سب کو مبارک باد پیش کی۔ اُس کی عید کے لیے ساری تیاری مکمل ہو چکی تھی۔ اُس کے خوب صورت کپڑے، موزے، جوتے، رومال سب چیزیں موجود تھیں۔ صمد کے والدین ایک خوش حال گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی ایک پیاری سی منی سی بہن تھی، جس کا نام ماریہ تھا۔ وہ صرف پانچ سال کی تھی۔ صمد بارہ سال کا تھا۔ وہ اپنی چیزیں جما کر رکھ رہا تھا۔ اتنے میں اس کی بہن ماریہ داخل ہوئی، "دیکھیں بھیا، میری فراک کتنی پیاری لگ رہی ہے۔"

"ہاں بھئی، تمھارے کپڑے تو میرے کپڑوں سے بھی زیادہ اچھے ہیں۔" صمد نے تعریف کی۔ "بھیا، ہمیں کتنی عیدی دیں گے؟" ماریہ شوخی سے بولی۔

"بھئی مابدولت حاتم طائی کی قبر پہ لات مارتے

ہوئے تم نا چیز کو چار آنے دیں گے۔" صمد نے اپنی قمیص کے کالر درست کیے۔ وہ کبھی مذاق کو ہاتھ سے نہ جانے دیتا تھا۔ "اللہ بھیا، صحیح بتائیں نا کہ کتنی عیدی دیں گے؟" ماریہ منھ بسورتے ہوئے لاڈ سے بولی۔ "اچھا چلو ہم تم کو دس روپے دیں گے اور نماز کے بعد آتے ہوئے ایک بڑا سا غبارہ بھی لا کر دیں گے۔" صمد نے اِتراتے ہوئے کہا۔

"چلو بچّو! جلدی سے سو جاؤ صبح جلدی اُٹھنا ہے۔" ان کی امّی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوتے کہا۔ اور کچھ دیر بعد ہی وہ نیند کی وادیوں میں گم ہو گئے۔ دوسرے دن صبح ہی امّی نے دونوں کو اُٹھا دیا۔ صمد، ابّو اور دادا جان تیار ہو کر نماز پڑھنے چلے گئے۔ ماریہ نے اپنی ستاروں بھری فراک پہنی۔ ان کی امّی نے اُس کو تیار کرنے کے بعد گھر کی صفائی شروع کر دی۔ تھوڑی ہی دیر میں گھر چم چم چمکنے لگا۔ پھر امّی نے انواع و اقسام کی چیزیں تیار کیں۔ سویاں، شیر خُرما، تکّے کباب، مٹھائی۔ ماریہ بھی اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ان کا ہاتھ بٹا رہی تھی۔

کچھ دیر بعد صمد، ابو اور دادا جان بھی نماز پڑھ کر واپس آ گئے۔ وہ بہت سارے غبارے بھی لے کر آئے تھے۔ سب نے سویاں کھائیں۔ عید مبارک پیش کی۔ پھر سب نے دونوں بچّوں کو عیدی پیش کی۔ وہ دونوں خوشی خوشی جانے لگے تو دادا نے آواز دی۔ وہ لوگ دادا کے پاس آئے۔ "دیکھو بچّو! اَلا بَلا چیزیں نہ کھانا، بلکہ عیدی کو اچھی چیزوں پر خرچ کرنا۔" دادا جان نے بچّوں کو تاکید کی۔ "جی ہاں دادا جان ہم ایسا ہی کریں گے۔" دونوں ایک ساتھ بولے اور باہر جا کر اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کھیلنے لگے۔ کھیلتے کھیلتے صمد کا دوست ناصر کہنے لگا، "آؤ ہم لوگ آئس کریم کھائیں۔" "نہیں بھئی، میں نہیں کھاؤں گا۔" صمد نے کہا۔ "کیوں کیا عیدی نہیں ملی؟" ناصر نے پوچھا۔ "نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے، میرے پاس تو کافی پیسے ہیں۔ میں انھیں ان فضول چیزوں میں خرچ نہیں کرنا چاہتا۔ آؤ ہم لوگ کھیلتے ہیں۔" مگر جمی نے مذاق اُڑاتے ہوئے کہا، "تم جیسے کنجوس کے ساتھ کون کھیلے گا جو ایک آئس کریم بھی نہیں خرید سکتا۔" سب دوست ہنسنے لگے اور اس کا مذاق اُڑاتے ہوئے چلے گئے۔ وہ اُداس اُداس گھر میں واپس آ گیا۔ "ارے بھیا، آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ کھیل کیوں نہیں رہے؟" ماریہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ "بس ایسے ہی دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے بات کو ٹالنا چاہا، لیکن ماریہ اس کے پیچھے پڑ گئی۔ آخر اُسے ساری بات بتانی پڑی۔ "لیکن بھیا، آخر آپ عیدی کیوں نہیں خرچ کر رہے ہیں؟" ماریہ جھنجھلا کر بولی۔ "دیکھو بھئی گڑیا رانی دادا جان نے کہا تھا نا کہ عیدی کو فضول چیزوں پر خرچ نہیں کرنا اس لیے میں اس کو کسی اچھے کام میں صرف کرنا چاہتا ہوں۔"

"لیکن یہ بھی تو بتائیے کہ کون سا کام؟" ماریہ بے چینی سے بولی۔

"دیکھو میری پیاری سی بہن، ٹی وی میں دکھایا تھا کہ افریقہ میں کتنا قحط ہے۔ لوگ بھوک اور پیاس سے دم توڑ رہے ہیں۔ انھیں پتے کھا کر پیٹ بھرنا پڑتا ہے، لیکن جو ننھے ننھے بچّے ہیں وہ تو پتے بھی نہیں کھا سکتے اور لاکھوں افراد اس آفت کی نذر ہو چکے ہیں، اور یہ کیسی بُری بات ہے کہ ہم یہاں عید کی خوشیاں منا رہے ہیں اور کتنی چیزیں کھا رہے ہیں۔ ہمارے مذہب اسلام نے ہمیں یہ بات سکھائی ہے کہ ہم دوسروں کی مدد کریں۔ اس لیے اگر ہم اور ہمارے دوسرے بہن بھائی اپنے عیدی کے پیسے ان فضول چیزوں میں اُڑانے کے بجائے افریقہ کے عوام کے لیے دیں گے تو ہمارا خدا بھی خوش ہوگا اور وہاں بھی لوگ اپنی زندگی کو بچا سکیں گے۔"

"بھیا، واقعی آپ نے ٹھیک کہا ہے۔ ہم دونوں اپنے پیسے ملا کر فنڈ میں جمع کروائیں گے۔" دونوں بچّوں کی عیدی ملا کر ڈیڑھ سو رُپے ہوئے اور دونوں نے وہ رُپے رات کو اپنے ابّو کو دیے، "لیکن بھئی، یہ کیوں؟" ابّو نے رُپے واپس کرتے ہوئے دیکھ کر حیرانگی سے کہا۔ "ابّو، ہم اپنی عیدی کو ایک نیکی میں خرچ کرنا چاہتے ہیں۔" ابّو کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا تو ابّو بہت خوش ہوئے اور خوشی سے انھیں گلے لگا لیا۔

ایک جگنو اور بچّہ

مرسلہ: فرزانہ کوثر، سرگودھا

سناؤں تمھیں بات اک رات کی
کہ وہ رات اندھیری تھی برسات کی
چمکنے سے جگنو کے تھا اک سماں
ہوا پر اُڑیں جیسے چنگاریاں
پڑی ایک بچّے کی ان پر نظر
پکڑ ہی لیا ایک کو دوڑ کر
چمک دار کیڑا جو بھایا اُسے
تو ٹوپی میں جھٹ پٹ چھپایا اُسے
وہ جھم جھم چمکتا اِدھر سے اُدھر
پھرا کوئی راستہ نہ پایا مگر
تو غمگین قیدی نے کی التجا
کہ چھوٹے شکاری! مجھے کر رہا

جگنو

خدا کے لیے چھوڑ دے چھوڑ دے
مری قید کے جال کو توڑ دے

بچّہ

کروں گا نہ آزاد اُس وقت تک
کہ میں دیکھ لوں دن میں تیری چمک

جگنو

چمک میری دن میں نہ دیکھو گے تم
اُجالے میں ہو جائے گی وہ تو گم

بچّہ

ارے چھوٹے کیڑے نہ دے دم مجھے
کہ ہے واقفیت ابھی کم مجھے
اُجالے میں دن کے کھُلے گا یہ حال
کہ اتنے سے کیڑے میں ہے کیا کمال
دھواں ہے نہ شعلہ نہ گرمی نہ آنچ
چمکنے کی تیرے کروں گا میں ناچ

جگنو

یہ قدرت کی کاری گری ہے جناب
کہ ذرّے کو چمکائے جو آفتاب
مجھے دی ہے اس واسطے یہ چمک
کہ تم دیکھ کر مجھ کو جاؤ ٹھٹک
نہ آڑھ پتے سے کرو پائمال
سنبھل کر چلو آدمی کی سی چال

بے وقوف کون

محمد فراز منور، کراچی

کہتے ہیں کسی امیر نے اپنے پاس ایک ایسے آدمی کو ملازم رکھا جو پورے شہر میں بے وقوف مشہور تھا۔ ایک دن امیر نے اسے ایک دستی چھڑی دی اور کہا، "یہ چھڑی تم اُس شخص کو دینا جو تم سے زیادہ بے وقوف ہو۔" کچھ عرصے کے بعد امیر بیمار ہوا تو اس نے اپنے احمق ملازم کو بُلا کر کہا۔ میں رخصت ہو رہا ہوں۔ احمق ملازم نے امیر سے پوچھا کہ آپ کب واپس تشریف لائیں گے؟

امیر نے جواب دیا۔ میں ایک ایسے مقام پر جا رہا ہوں جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔ احمق ملازم نے امیر سے پوچھا۔ کیا آپ نے وہاں قیام کے لیے کوئی مکان وغیرہ بنوایا۔ امیر نے کہا نہیں۔ احمق ملازم نے سوال کیا۔ کیا کوئی ملازم بھیج دیا۔ امیر نے کہا نہیں۔ اس نے پھر سوال کیا۔ کیا باورچی خانے اور توشہ خانے کا سامان بھیج دیا ہے۔ امیر نے جواب دیا نہیں۔ یہ سُن کر احمق ملازم مسکرایا اور اس نے کہا کہ آپ بھی عجیب ہیں کہ جہاں آپ کو تھوڑے دن رہنا تھا وہاں تو آپ نے اتنا عالی شان محل بنوایا اور آرام و آرائش کا اتنا سامان جمع کیا، لیکن جہاں آپ کو ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لیے کچھ نہیں کیا۔ یہ کہتے ہوئے احمق ملازم کمرے سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آیا اور امیر کی دی ہوئی دستی چھڑی واپس امیر کے حوالے کر دی۔ یہ دیکھ کر امیر بول اُٹھا کہ "واقعی میں بہت بے وقوف ہوں اور تم بہت دانش مند ہو۔"

کیسی تنخواہ؟

سبحان خان، کراچی

کہتے ہیں کہ ایک کارخانے کا مالک بڑا حساب دان اور کنجوس تھا۔ پیسے پیسے کا حساب رکھتا تھا۔ تنخواہ دیتے وقت تو اس کی جان نکلتی تھی۔ ایک دن تنخواہ لیتے وقت اس کے ملازم نے کہا، "صاحب، مہنگائی زیادہ ہو گئی ہے۔ کچھ تنخواہ بڑھا دیں۔" مالک نے کڑک کر کہا،

"خدا کا شکر کرو کہ تمھیں تنخواہ مل رہی ہے۔ ورنہ تم

تو میرا کوئی کام نہیں کرتے ہو۔" ملازم نے حیران ہو کر کہا، "صاحب وہ کیسے؟ ذرا میں بھی تو سنوں۔"

حساب دان مالک نے کہا تو لو پھر سنو!

"سال میں تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں۔ آٹھ گھنٹے تم روزانہ سوتے ہو، یعنی ۱۲۲ دن یوں گزر گئے۔ باقی رہے ۲۴۳ دن۔ آٹھ گھنٹے تم گپیں ہانکتے ہو، فلم دیکھتے ہو، آوارہ گردی کرتے ہو۔ باقی رہ گئے ۱۲۱ دن۔ دوپہر کو کھانے کے لیے ایک گھنٹہ خرچ کرتے ہو۔ یہ کُل دن پندرہ بنتے ہیں۔ اب صرف ۱۰۶ دن باقی رہ گئے۔ جمعہ کو تم چھٹی مناتے ہو۔ اس طرح ۵۲ دن اور نکل گئے۔ اب رہے صرف ۵۴ دن۔ جمعرات کے دن تم آدھا دن کام کرتے ہو۔ اب رہ گئے ۲۸ دن۔ موسم گرما میں تم دس دن چھٹیاں لیتے ہو اور کم از کم دس دن بیمار رہتے ہو۔ اب باقی صرف ۸ دن رہ گئے۔

۸ دنوں میں عیدالفطر، عیدالضحیٰ، یوم آزادی، قائداعظم کی پیدائش، علامہ اقبال کی پیدائش و برسی، عیدمیلادالنبیؐ، محرم، یوم دفاع اور یوم حج مناتے ہو۔ اب بتاؤ سارا سال تو تم نے یونہی گزار دیا۔ اب اپنی تنخواہ بڑھانے کے لیے کہہ رہے ہو۔ اس کے بجائے اپنے یہاں رہنے، کھانے پینے کا اور کپڑوں، جوتوں، نہانے دھونے کا خرچہ مجھے دیا کرو۔" یہ سُن کر ملازم چکرایا اور کانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بھاگ گیا۔

ابونصر فارابی

محمد نعیم قاضی، ٹنڈو آدم

فاراب ترکستان کے ایک شہر کا نام ہے۔ بہت مدت گزری، اس شہر فاراب کے ایک محلے میں ایک غریب لڑکا رہتا تھا، جسے علم حاصل کرنے کا بے حد شوق تھا۔ دن کو تو وہ اپنے استاد کے پاس جاکر سبق پڑھتا تھا اور رات کو وہ دن کا پڑھا ہوا سبق یاد کرتا تھا اور اس وقت تک نہیں سوتا تھا جب تک یہ سبق اچھی طرح یاد نہیں ہو جاتا تھا۔ اس کی چارپائی کے سرہانے مٹی کا ایک دیا جلتا رہتا تھا۔ اسی دیے کی روشنی میں رات کے دو بجے تک پوری کی پوری کتاب پڑھ لیتا تھا اور بعض اوقات تو ساری رات ہی پڑھنے میں گزر جاتی تھی۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ وہ اپنی چارپائی پر بیٹھا پوری توجہ اور انہماک سے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا کہ دیے کی روشنی مدّھم ہونے لگی۔ اس نے بتّی کو اونچا کیا۔ روشنی ہوئی تو ضرور، مگر بڑی جلد ختم ہو گئی۔ اب جو اس نے دیے پر نظر ڈالی تو یہ دیکھ کر اسے بڑا افسوس ہوا کہ تیل تو دیے میں ہے ہی نہیں، روشنی اگر ہو تو کیوں کر ہو۔

"اب میں کیا کروں؟" اس نے اپنے دل میں سوچا۔ رات آدھی کے قریب گزر چکی تھی۔ شہر کی دکانیں بند ہو چکی تھیں اور اگر دکانیں کھلی بھی ہوتیں تو اس کو کچھ

فائدہ نہ ہوتا، کیوں کہ اس کے پاس تیل خریدنے کے لیے پیسے بھی نہیں تھے۔

اس حالت میں بہتر یہی تھا کہ وہ کتاب ایک طرف رکھ کر سو جائے، مگر ابھی تو اسے پورے دو گھنٹے اور پڑھنا تھا۔ وہ یہ دو گھنٹے کس طرح ضائع کر سکتا تھا۔ وہ روٹی تو ایک مسجد میں جا کر کھا لیتا تھا اور محلے کے ایک بچّے کو پڑھا کر جو رقم ملتی تھی، اُس سے وہ اپنے لیے معمولی کپڑے اور تیل خرید لیتا تھا، جو وہ خرچ کر چکا تھا۔ جتنے پیسے اسے ملے تھے اس میں سے اُس کے پاس اب کچھ نہیں بچا تھا۔

وہ اپنی کوٹھری سے نکل کر دروازے پر آبیٹھا۔ رات کا اندھیرا ہر جگہ چھایا ہوا تھا۔ کہیں بھی کوئی چراغ جلتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سب لوگ آرام کر رہے تھے۔ اتنے میں اس کو دور سے ایک ننھی سی روشن لکیر نظر آئی۔ اسے دیکھتے ہی اس کے دل میں خواہش ہوئی کہ کاش یہ روشنی اس کے گھر میں ہوتی۔ روشنی دیکھ کر وہ اُٹھ بیٹھا اور یہ معلوم کرنے کے لیے کہ یہ کہاں سے آرہی ہے، اُدھر قدم اُٹھانے لگا جدھر سے روشنی آرہی تھی۔ اپنی کتاب بھی وہ ساتھ ہی لے آیا تھا، تاکہ موقع ملے تو اسی روشنی میں کتاب کا باقی حصّہ پڑھ ڈالے۔

کچھ دُور جا کر اس نے دیکھا کہ وہ روشنی ایک قندیل میں سے نکل رہی ہے اور قندیل محلے کے چوکی دار کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے چوکی دار سے بڑے ادب کے ساتھ کہا:

"جناب، اگر آپ اجازت دیں تو میں قندیل کی روشنی میں کتاب پڑھ لوں؟"

چوکی دار ایک نیک آدمی تھا۔ اس نے سمجھ لیا کہ یہ غریب طالبِ علم ہے۔ بولا، "ہاں بیٹا، پڑھ لے۔ میں تھوڑی دیر یہاں بیٹھوں گا، یہاں بیٹھ جا۔"

اب مشکل یہ تھی کہ چوکی دار ایک ہی جگہ زیادہ دیر تک ٹھیر نہیں سکتا تھا، اس لیے تھوڑی ہی دیر کے بعد کہنے لگا، "لو بیٹا، اب تم گھر جاؤ اور سو رہو۔ مجھے آگے چلنا ہے۔"

لڑکا بولا:

"آپ ضرور آگے جائیے، میں آپ کے پیچھے پیچھے چلوں گا۔"

چوکی دار قندیل اُٹھا کر آگے آگے چلنے لگا اور لڑکا پیچھے پیچھے۔ اس طرح مطالعہ کرنے میں اُسے بڑی دقت پیش آرہی تھی، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری۔ چار بجے صبح تک پڑھتا رہا اور پھر چوکی دار کا شکریہ ادا کر کے گھر چلا گیا۔

دوسری رات بھی اسی طرح گزری۔ تیسری رات لڑکا آیا تو چوکی دار کہنے لگا، "بیٹا، لو یہ قندیل اپنے گھر لے جاؤ، میں نئی قندیل لے آیا ہوں۔"

لڑکے نے یہ الفاظ سُنے تو اسے اتنی خوشی ہوئی جیسے ایک بہت بڑا خزانہ مل گیا ہو۔ وہ قندیل اپنے گھر لے آیا اور اطمینان کے ساتھ کام کرنے لگا۔ دن مہینوں

اور سالوں میں بدلتے رہے۔ لڑکا جوان ہو گیا۔ جیسے جیسے اس کے علم میں اضافہ ہوتا گیا اس نے اور علم حاصل کرنا شروع کر دیا۔ ایک وقت ایسا آیا کہ یہ لڑکا اپنے وقت کا سب سے بڑا استاد بن گیا۔ بڑے بڑے عالم اور فاضل اس سے علم حاصل کرتے۔ وہ علم کا ایک دریا بن گیا تھا اور لوگ اپنی پیاس اس سے بجھاتے تھے۔

یہ ابو النصر فارابی تھا! اپنے وقت کا بہت بڑا فلسفی۔ ریاضی اور موسیقی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ ۸۷۳ء میں پیدا ہوا۔ ۹۵۰ء میں وفات پائی۔ ابو نصر! اس کی وفات کو تقریباً ہزار سال گزر چکے ہیں، مگر اس کی عزت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اس کا نام سب احترام سے لیتے ہیں اور لیتے رہیں گے۔

دو دوست

سید حماد حسین، میانوالی

ایک گاؤں میں دو دوست رہتے تھے۔ ایک کا نام تھا مجاہد اور دوسرے کا نام شاہد تھا۔ مجاہد بڑا تھا اور شاہد چھوٹا۔ وہ دونوں ہم جماعت تھے۔ دونوں بڑے ذہین تھے۔ ان کی جماعت میں ایک لڑکا اور پڑھتا تھا جو بڑا کُند ذہن تھا۔ اس کا نام ساجد تھا۔ وہ جب دونوں کو اکٹھا دیکھتا تو بڑا حسد کرتا تھا۔ وہ ہر وقت انھیں لڑانے کے متعلق سوچتا رہتا تھا، لیکن اس کا حسد خود اس کی تباہی کا باعث ہوا۔ اس نے دونوں سے تعلیم میں مدد لینے کے بجائے پورا سال کھیل کود میں برباد کیا اور جب امتحان ہوا اور نتیجہ نکلا تو ساجد فیل تھا اور مجاہد اور شاہد اچھے نمبروں میں پاس ہو گئے۔ ساجد کو اب پچھتاوا ہونے لگا تھا، لیکن اب کیا ہو سکتا تھا؟ گیا وقت کبھی ہاتھ نہیں آتا۔

پاکستان ایک نظر میں

مرسلہ: فرزانہ چوہدری غلام رسول، ٹوبہ ٹیک سنگھ

- پاکستان کا نام چوہدری رحمت علی مرحوم نے تجویز کیا تھا۔
- پاکستان کا تصور علامہ اقبال نے پیش کیا۔
- پاکستان کے بانی اور پہلے گورنر جنرل قائد اعظم تھے۔
- پاکستان ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ (۱۴۔ اگست ۴۷ء) کو قائم ہوا۔
- قومی ترانے کے خالق حفیظ جالندھری مرحوم تھے۔
- قومی ترانہ ۱۷۔ اگست ۱۹۵۴ء کو منظور ہوا۔
- پاکستان کے پہلے بری کمانڈر انچیف جنرل گریسی تھے۔
- پاکستان کے پہلے صدر سکندر مرزا مرحوم تھے۔
- پاکستان کے پہلے چیف جسٹس، جسٹس عبدالرشید تھے۔
- بری فوج کے پہلے پاکستانی کمانڈر انچیف ایوب خان تھے۔
- پاکستان کا سب سے قدیم شہر ملتان ہے۔
- پاکستان کی بلند ترین پہاڑی چوٹی کا نام "کے۔ٹو" ہے۔
- پاکستان کا سب سے بڑا شہر کراچی ہے۔
- پاکستان کا دل لاہور ہے۔

اِس شمارے کے مشکل الفاظ

نونہالوں کی خواہش پر ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا جا رہا ہے جس سے وہ لفظ اُردو میں آیا ہے۔ یہ اِشارے اس طرح لکھے ہوں گے:

ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، ا = اردو

منکشف: (ع) مُن کَ شِف : ظاہر، کھُلا۔
نوازش: (ف) نَ وَ ا زِ ش : مہربانی، کرم، عنایت
جگ : (ہ) جَگ : زمانہ، دنیا۔
انس : (ع) اِ نْ س : انسان، آدمی۔
مقوی : (ع) مُ قَوْ وِ ی : قوت دینے والا، طاقت بخش۔
حربہ : (ع) حَرْ بَہ : ہتھیار۔
سوزش : (ف) سو زِ ش : جلن۔
قزاق : (ترکی) قَزْ زَ ا ق : ڈاکو، رہزن۔
مستول : (پرتگالی) مس تُو ل : جہاز یا کشتی کا ستون۔
رشک : (ف) رَ شْک : کسی کی خوبیاں دیکھ کر اُس جیسا بننے کی خواہش۔
گھاگ : (ہ) گھا گ : بہت تجربے کار۔
بھبکی : (ہ) بَھبْ کی : دھمکی، گھُرکی۔
مسلّمہ : (ع) مُ سَلْ لَ مَہ : مانی ہوئی، تسلیم کی ہوئی۔
گامزن : (ف) گام زَ ن : چلنا، قدم رکھنا۔
چوکنّا : (ہ) چَو کَن نا : ہُشیار، محتاط
سرکردہ : (ف) سَر کَرْ دَ ہ : سردار، لیڈر، اثر والے لوگ۔

بادی النظر میں (ع) بادی اُن نَظَر : پہلی نظر میں۔
کاشت کاری (ف) کاشت کاری : کھیتی باڑی کرنے والا، کسان۔
سبقت (ع) سَبْ قَت : آگے بڑھنا، پیش قدمی۔
تشخیص (ع) تَش خِیص : جاننا، پہچاننا، مرض، پہچاننا۔
لیاقت (ع) لِ یا قَت : قابلیت، سعادت مندی، خوبی۔
قارورہ (ع) قا رُو رَہ : شیشی۔ حکیم کو دکھانے کے لیے مریض کا پیشاب۔
لطافت (ع) لَ طا فَت : نرمی، خوبی، نزاکت۔
آشنا (ف) آ ش نا : واقف، دوست، جان پہچان والا۔
باریک بینی (ف) باریک بینی : کسی چیز کو گہری نظر سے دیکھنا یا سمجھنا۔
حلیم (ع) حَ لیم : بُردبار، ملائم، ایک کھانا جس کو کھچڑا بھی کہتے ہیں۔
بُردبار (ف) بُرْد بار : برداشت کرنے والا، حلیم

پھوڑے پھنسی اور
خارش کا ایک علاج
مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے
خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے
پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جِلدی بیماریوں
کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی
کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خون کی صفائی اور جِلدی
بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔
SAFI صافی
BLOOD PURIFIER
جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ
صافی
ہمدرد
سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

بزمِ نونہال

□ نونہال کے ساتھ ۱۲ تصویری کارڈ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ سرورق اچھا تھا۔ کہانیاں خاص نہیں تھیں۔ معلوماتی مضامین زیادہ تھے۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور لطائف اچھے تھے۔ نونہال ادیب میں بھی بہت سارے مضامین تھے۔ آپ نے کوپن والے سلسلے میں اس ماہ سے کتابوں کی تعداد اچانک بڑھا دی، لیکن ہم کتاب والے خانے میں ان کتابوں میں سے کسی کا نام نہیں لکھ سکتے، کیوں کہ کوپن میں کتاب کے نام کی جگہ بھی ہوتی تھی۔ اور ہم اُس میں کتاب کا نام ہر مہینے لکھ کر رکھ لیتے ہیں۔ اب کتابیں زیادہ ہو گئیں، مگر کتاب کے نام والا کوپن تو ہم پہلے سے ہی بھرتے تھے۔

مجتبےٰ علی خان، کراچی

جن کتابوں کے نام بعد میں بڑھائے ہیں وہ پہلے موجود نہیں تھیں۔ چھپ کر آگئیں تو ہم نے نام بڑھا دیے۔ چند کتابیں شاید اور اس سال تک چھپ جائیں تو وہ بھی بڑھا دیں گے۔ اگر آپ نے پچھلے مہینوں کے فارم میں کسی کتاب کا نام لکھ لیا ہے اور اب کسی دوسری کتاب کا نام لکھنا چاہتے ہیں تو آپ پچھلے نام کو کاٹ دیں اور فارم کے خانے میں جگہ نہیں رہی ہے تو فارم کے پیچھے نئی کتاب کا نام صاف صاف لکھ دیں فارم پر روشنائی پھیلنے کا اندیشہ ہوتا ہے اس لیے قلم کے بجائے بال پین سے لکھیں۔

□ کہانیوں میں خاص طور پر "خانقاہ کا بھوت" (علی اسد) "پہچان" (عبدالرشید) اور شاہی خزانہ بہت پسند آئیں۔ خالد محمود قریشی، کراچی

□ آپ نے علمی تحفہ میں کہانیوں کے ذکر میں چالاک خرگوش کے کارنامے کا ذکر کیا ہے۔ کیا یہ وہی ہے جو نونہال میں چھپ چکی ہے۔

فیصل اسد، کراچی

نہیں، یہ وہ چالاک خرگوش نہیں ہے جو کرشن چندر کی لکھی ہوئی ابھی چھپی ہے، بلکہ یہ سراج کی لکھی ہوئی کتاب ہے جو کئی سال پہلے نونہال میں چھپی تھی، لیکن مزے دار یہ بھی بہت ہے۔

□ مئی کا رسالہ خاص نہیں تھا، مگر مئی کے رسالے کے ساتھ بارہ کارڈوں کا تحفہ بہت لاجواب تھا۔ کہانی، نظمیں تو مجھے بہت پسند آئیں۔ خاص کر گھوڑے کا تعارف مضمون اچھا تھا۔ امید ہے کہ خاص نمبر بھی اچھا ہوگا۔ لفظ تنویر کے معنی بتا دیجیے۔ اگر ہم کوئی کہانی لکھیں تو ہم کتنے دن تک انتظار کریں۔ راجا محمد یونس چوہان، ٹنڈو آدم

تنویر کے معنی روشنی اور نور کے ہیں۔ جتنی زیادہ کہانیاں نونہال بھیجیں گے اتنی ہی دیر میں نمبر آئے گا۔

□ آپ صرف تعریفی خط شائع کرتے ہیں، لیکن میں نے بھی تو بہت سارے تعریفی خط ارسال کیے ہیں۔ شاید میرے تعریفی خطوں میں مٹھاس نہیں تھا اور آپ زیادہ تر ان کے خط شائع کرتے ہیں جو آپ کے خریدار ہوتے ہیں۔ راشد علی ناشاد ڈگاری کنی بلوچ مکران

میاں ناشاد، کیوں ناشاد ہوتے ہو۔ جھوٹی تعریف خوشامد ہوتی ہے اور خوشامد بہت بُری عادت ہے۔ مٹھاس تو سچائی میں ہے اور خریدار تو پچاس ہزار سے زیادہ ہیں۔ ایک مہینے کے خریداروں کے خطوط کئی سال تک چھپیں اور رسالے میں خطوں کے علاوہ کچھ نہ چھپے۔ کہو تمھیں ایسا ہمدرد نونہال پسند ہوگا۔

□ ہم آپ سے سخت ناراض ہیں۔ ہم آپ کو تیسرا خط لکھ رہے ہیں، لیکن آپ نے ابھی تک میرا ایک خط بھی نہیں چھاپا۔ کئی تحریریں بھیجیں لیکن کوئی تحریر نہ چھپ سکی۔ آپ نے ہمارا دل توڑ دیا۔ حوصلہ بڑھانے کے بجائے ہمارے ساتھ ایسا سلوک کیوں؟ روبی حنیف، شکیب صدیقی، کراچی

روبی، لکھنے کے شوق کے ساتھ صبر اور ہمت بھی پیدا کرو۔ تمھاری کوئی تحریر جلد ہی چھپ جائے گی۔

□ چند مہینے پہلے نونہال میں میری چھوٹی بہن عدیلہ اختر کی نظم "میری گڑیا" شائع ہوئی تھی۔ اپریل ۸۵ء کے شمارے میں "بزم نونہال" میں لودھراں سے نونہال کی قاری زیب النساء صدیقی نے اپنے خط میں عدیلہ اختر کی نظم "میری گڑیا" کی چوری کا جو الزام لگایا ہے وہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے جس سے میری بہن کا معصوم ذہن سخت مجروح ہوا ہے۔ میں حلفیہ

بیان کرتا ہوں کہ میری بہن کی اس نظم کی تصحیح میں نے اپنے استاد محترم جناب عاقل اکبر آبادی سے کرائی ہے، جو ہفت روزہ فیضان کے ایڈیٹر ہیں۔ آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ آیندہ شمارے میں اس الزام کو واپس لیتے ہوئے زیب النساء صدیقی سے باز پُرس کی جائے۔

محمد جہاں زیب، کراچی

> کیوں بھئی زیب النساء، اب بتاؤ۔ تم نے اگر اپنی بہن عدیلہ اختر کو خواہ مخواہ پریشان نہیں کیا ہے تو ثبوت لاؤ۔ ہمدرد نونہال پڑھنے والے تمام نونہال بھائی بہن ہیں۔ انھیں ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے اور ابھی سے ذمے داری کی عادت ڈالنی چاہیے۔

□ تعلیمی کوپن ۱۲ جمع کر لیں تو ہمیں ہمدرد فاؤنڈیشن کی اور کوئی کتاب چاہیے تو ۲۵ فی صد کمی ہو گی، لیکن یہ کتنی کتابوں تک محدود ہے۔ اور میں نے پہلے دو کہانیاں بھیجی تھیں کیا وہ قابلِ اشاعت ہیں۔

عمران محمد یعقوب، کراچی

> (۱) بارہ تعلیمی کوپن بھیجنے والوں کو ہمدرد فاؤنڈیشن کی بچوں کی جتنی کتابیں وہ چاہیں گے اُن پر ۲۵ فی صد رعایت دی جائے گی۔
> (۲) آپ نے اپنا پتا نہیں لکھا۔ کئی بار پتا لکھنے کی درخواست کی جا چکی ہے۔ ویسے بھی میرے عزیز، جب کسی کو خط لکھو تو اپنا پتا ضرور لکھو۔ آپ نے اپنی کہانیوں کے متعلق سوال کیا ہے۔ یہ ذاتی سوال ہے، اس کے جواب سے رسالہ پڑھنے والے لاکھوں نونہالوں کو کیا دل چسپی ہو سکتی ہے۔ اس لیے اس کا جواب رسالے میں دے کر جگہ گھیرنا زیادتی ہو گی۔ کوئی ایسا سوال کرنا ہو تو پتا لکھا ہوا جوابی لفافہ بھیجنا چاہیے۔

□ ہمارے بزرگ رہنماؤں کی تصاویر کے پیچھے ان رہنماؤں کی تاریخ بہت پسند آئی۔ خانزادہ ارشاد احمد، نوشہرہ فیروز

□ کہانیوں میں شاہی جاسوس، گھوڑی کا انڈا اور خانقاہ کا بھوت قابلِ ذکر ہیں۔ ریحان خان، ناظم آباد

□ میں نونہال کافی عرصے سے پڑھ رہی ہوں۔ اتنا پیارا رسالہ ہے کہ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ آسیہ ناز چٹھہ، گاجر گولہ

□ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا۔ اس کے علاوہ حمد، خیال کے پھول، ہم سب بچے ایک ہیں اور میں پانی کی ایک بوند ہوں بہت پسند آئے۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ شکیل احمد، خیبر ایجنسی

□ ہم سب گھر والے نونہال رسالہ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ مئی کا شمارہ بہت پسند آیا۔ سرورق تو بہت ہی اچھا تھا۔ عاصم جمال احمد، کراچی

□ مئی کے شمارے کے ساتھ عظیم رہنماؤں کی تصاویر اور ان کے بارے میں معلومات دیکھ کر جی خوش ہو گیا۔ اس دفعہ کی کہانیوں میں "ہم سب بچے ایک ہیں" اور "گھوڑی کا انڈا" پسند آئیں۔

شازیہ سلطان حق، ماڈل کالونی

□ خاص طور پر جاگو جگاؤ، ہم سب بچے ایک ہیں، گھوڑی کا انڈا، گھوڑے کا تعارف اور مسکراتے رہو بہت ہی اچھے تھے۔

خلیل الرحمٰن، کراچی

□ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ ذوالفقار علی، کراچی

□ تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ چالاک خرگوش کی جگہ کوئی جاسوسی کہانی شروع کریں۔ مہربانی کر کے لفظ کرّوفر کے معنی بتا دیجیے۔

زہرین میمن، حیدرآباد

> کرّوفر کے معنی شان و شوکت کے ہیں۔ کیوں زہرین، کیا ارادہ ہے؟

□ مئی کا نونہال ہمیں بہت پسند آیا۔ اس کا جگمگاتا ہوا ٹائٹل اور ہمارے ملک کے رہنماؤں کی تصویریں ہم نے دیکھیں تو ہمیں بہت خوشی ہوئی۔ لبنیٰ ناز، ممتاز، شازیہ ناز، کراچی

□ نونہال پاکستان کا سب سے بہترین اور دل چسپ رسالہ ہے۔ اس رسالے میں جاگو جگاؤ ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔ نشاط زہرہ، کراچی

□ خاص طور پر شاہی جاسوس، میں پانی کی ایک بوند ہوں وغیرہ پسند آئیں۔ عامر ارشاد، حیدرآباد

□ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ پڑھ کر نہ جانے کیوں مجھے اپنے ملک کا نام روشن کرنے کو جی چاہتا ہے۔ اجمیر خان، کراچی

□ لطیفے چٹ پٹے تھے۔ میں نونہال اتنے شوق سے پڑھتا ہوں کہ پورا مہینہ اس کے انتظار میں گزرتا ہے۔ محمد عباس عمر، کراچی

□ مئی کے شمارے کے ساتھ جو تصویریں ہیں وہ پسند آئیں۔ یہ شمارہ بھی تمام شماروں کی طرح پوری دل چسپیوں اور آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ خاص طور پر کہانی پہچان اور کرکٹ کے آسمان کے دو نئے ستارے بہت پسند آئی اور ہمدرد انسائکلو پیڈیا کا سوال

اسکائی لیب اور گرگٹ رنگ کیوں بدلتا ہے کا جواب بہت پسند آئے اور کتنے کام کے ہیں یہ میٹر اپنی مثال آپ تھی۔ محمد شہر، کراچی

□ میں تقریباً چار سال سے ہمدرد نونہال پڑھ رہا ہوں۔ اس میں اسلامی، سائنس کی معلومات اور معلومات عامّہ ہیں۔ اسی وجہ سے میں ہمدرد نونہال کو پسند کرتا۔ تحسین رضا، کراچی

□ جناب میرزا ادیب کا ڈرامہ ہم سب بچے ایک ہیں نے بہت متاثر کیا۔ لطیفوں کا معیار پھر سے بلند ہو رہا ہے۔ محمد عاصم شیخ، کراچی

□ اس دفعہ سرورق بہت بہترین تھا، کہانیاں بڑی مزے دار تھیں۔ لطیفے بھی بہت اچھے تھے۔ شاہی جاسوس اور پہچان بھی بہت مزے دار تھی۔ عبدالرؤف خان، میانوالی

□ آپ بزرگوں کا ایک ایک لفظ ہمارے لیے بے حد اہمیت رکھتا ہے۔ آپ نے ہی مجھ جیسے قاریوں کو نصیحت کی تھی کہ اصل مقصد نام چھپوانا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ نصیحت واقعی اچھی ہے۔

مستجاب حیدر، لیاقت آباد

□ سرورق پسند آیا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ اور کارٹون بہت اچھے تھے۔ البتہ لطیفے زیادہ مزے دار نہیں تھے۔

محمد اشرف بلوچ، سندھ یونی ورسٹی

□ اس بار لطائف مزے دار تھے۔ بارہ کارڈ بھی پسند آئے۔ انکل اگر وہ بارہ کارڈ ایک کاپی کی شکل میں ہوتے تو مناسب تھا۔

قمر الزماں، فیصل آباد

□ رسالہ بہترین تھا۔ البتہ تصاویر کا معیار پست سے پست ہوتا جا رہا ہے۔ محمد جاوید شفیع، کراچی

□ سرورق خوب صورت تھا۔ جناب میرزا ادیب کا کھیل "ہم سب بچے ایک ہیں" بہت پسند آیا۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں، نظمیں بھی اچھی تھیں، لیکن لطائف پرانے تھے۔ عبدالغفور خان، بہاول پور

□ مئی کا شمارہ پڑھا بے حد پسند آیا۔ ناصرہ، شازیہ، کراچی

□ مئی ۸۵ء کے رسالے نے تو دل ہی جیت لیا۔ تمام کی تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ میری طرف سے جس کہانی کو نونہال ایوارڈ ملنا چاہیے وہ "ہم سب بچے ایک ہیں" کو ہے۔ محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

□ مئی کا نونہال اپنا جواب آپ تھا۔ اس میں مضامین زیادہ تھے، جس کی وجہ سے ہماری معلومات میں بہت اضافہ ہوا۔

شازیہ انعام، کراچی

□ اگر آپ نونہال کو پندرہ روزہ ہمدرد نونہال بنا دیں تو بہت نوازش ہوگی۔ جاوید عبدالغفور، کراچی

□ میں ہمدرد نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ میرا یہ خط ردّی کی ٹوکری میں مت ڈالیے۔

محمد امیر صدیقی، نئی کراچی

لو بھئی، ہم نے ردّی کی ٹوکری کا حق مار لیا۔ اب تو خوش ہو۔

□ ہمدرد نونہال میں سب کہانیاں بہت بہترین اور سبق آموز ہوتی ہیں۔ اگر بچے ایسی کہانیوں پر عمل کریں گے تو کبھی بھی گم راہ نہ ہوں گے۔ محمد حنیف، کراچی

□ نونہال میرا بہت ہی پسندیدہ رسالہ ہے۔ میرے چھوٹے بہن بھائی بھی اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ مقصود احمد، کراچی

□ مئی کا چمکتا دمکتا رسالہ دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ قومی رہنماؤں کی تصاویر اور ان کے بارے میں معلومات بھی ملیں۔ کہانیاں سب ہی اچھی تھیں۔ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بھی سبق آموز تھا۔

جہانگیر معروف، شاہ پور چاکر

□ لطیفے پسند آئے اور تحفے میں تمام تحریریں اپنی اپنی جگہ بے مثال تھیں۔ مئی کے شمارے کے ساتھ ۱۲ کارڈ بھی تھے جو کہ بہت اچھے تھے۔ آپ نے ان کارڈوں کے ذریعہ چند ایسی شخصیتوں سے متعارف کروایا جن کے بارے میں ہم سرے سے کچھ نہیں جانتے تھے۔ مثلاً قاضی محمد عیسیٰ یا مسیح الملک حکیم اجمل خان وغیرہ۔ شوکت محمود، بہاول پور

□ مئی ۸۵ء کے نونہال کا سرورق سال بھر کے تمام رسالوں میں اول نمبر کا ہے۔ بارہ کارڈز کا تحفہ اعلا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ قیمت صرف چار روپے۔ کہانیوں میں گھوڑی کا انڈا، پہچان بہترین تھیں۔

صائم علی خاں قادری، کراچی

□ نونہال ایک خوب صورت رسالہ ہے۔

عظمیٰ شکور، اسلام آباد

□ کافی معلوماتی اور شان دار پرچہ ہے۔ پرچے میں اگر اسلامی معلومات اور اسلامی کہانیاں دی جائیں تو بہتر ہوگا۔ اور اس پرچے

میں نونہال ادب میں ایک کہانی شائع کی گئی تھی "برائی کا بدلہ برائی نہیں" اس میں ایک جملہ تھا "امیر نے مجھ سے برائی تھی" اس میں لفظ برائی کے بعد لفظ "کی" رہ گیا ہے۔ محمد یونس بھٹو، لاڑکانہ

□ بزرگوں کے کارڈ کا تحفہ پیش کرنے کا بہت بہت شکریہ۔ پانی کی بوند، گھوڑی کا انڈا، شاہی جاسوس اور سب کہانیاں اچھی لگیں۔ نظمیں بھی سب پسند آئیں۔ اشتیاق احمد کھوکھر، لانڈھی

□ میں نونہال کا تقریباً چھے سالوں سے مطالعہ کر رہی ہوں یعنی چوتھی جماعت سے اب نویں جماعت میں پہنچ چکی ہوں، یقین جانیے بچّوں کے تمام رسالوں سے نونہال ہی سب سے زیادہ پسند آیا۔
روبینہ شاہین، کراچی

□ کہانیاں تو سب اچھی تھیں مگر میرزا ادیب صاحب کی اور محمد اعزاز الدین صاحب کی کہانی قابلِ ذکر ہے۔ اس کے علاوہ نونہال ادیب، لطیفے، اخبارِ نونہال، نظمیں اور طب کی روشنی میں کافی پسند آتے ہیں اُن کچھ عظیم شخصیتوں کی تصویریں بھی ملیں جو ہم نے آج تک نہیں دیکھی تھیں۔ ایسا خوب صورت تحفہ دینے پر آپ کا شکریہ۔
محمد اجمل نعیم، سرائے سدھو

□ آپ نے جو اخبارِ نونہال میں بتایا ہے کہ اناناس کا درخت ہوتا ہے۔ حال آنکہ اناناس زمین میں اُگتا ہے۔ سیما ناز، کراچی

شاباش سیما، تم نے اچھی بات پکڑی۔ اناناس کا پودا ہوتا ہے اور پھل زمین کے اندر۔

□ مئی کے شمارے کے ساتھ تصویری کارڈ دیکھ کر خوشی ہوئی، مگر ایک غم یہ بھی ہوا کہ تصویریں بلیک اینڈ وھائٹ تھیں خوشی اس وجہ سے ہوئی کہ ان تصویروں میں بھی ہمیں بہت سی معلومات نظر آئیں جو تصویروں کے پیچھے لکھی ہوئی تھی۔ کیا یہ اچھا ہوتا کہ تصاویر رنگا رنگ ہوتیں اور گتّے پر ہوتیں۔ امتیاز احمد، اورنگی ٹاؤن

□ معمارِ ملت کی تصویریں ملیں۔ کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ ان کو رنگین بنا کر کارڈ کی شکل میں دیتے۔ اس طرح تصویریں ایک عرصے تک محفوظ رکھی جا سکتی تھیں۔ ارشد حسین گھانچی، کراچی

□ پُرخلوص، بے لوث، بااخلاق، دل چسپ اور سبق آموز کہانیوں اور روح افزا کی ٹھنڈک اور مٹھاس سے بھرپور لطیفوں کا رسالہ "ہمدرد نونہال" مجھے بے حد پسند ہے۔ مظہر علی، سکھر

□ میرزا ادیب کا ڈراما ہم سب بچّے ایک ہیں، بہت پسند آیا۔ امید ہے میرزا صاحب آیندہ بھی ایسے ڈرامے نونہال کے لیے لکھتے رہیں گے۔ مختار احمد انجم، ایم رفیق ندیم، ایم آئی امین شاکر، ایم انور شاکر، بہاول نگر

□ میری نظر میں اس رسالے میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو ایک اچھے اور معیاری رسالے میں ہونی چاہییں۔
محمد عدنان شیخ، نواب شاہ

□ مجھے چالاک خرگوش کے علاوہ نونہال مصور، نونہال ادیب، کارٹون، انسائکلو پیڈیا اور طب کی روشنی میں بہت پسند ہیں۔
احمد مجتبیٰ زیدی

□ سرورق بے حد پسند آیا۔ جاگو جگاؤ اور کارٹون بہت اچھے تھے۔ کہانیوں میں گھوڑی کا انڈا، شاہی جاسوس اور پہچان پسند آئیں۔ میں کتاب "صحت کی الف ب" منگانا چاہتا ہوں۔ بتائیے کیا کروں؟
محمد حبیب خاں، کراچی

ہمدرد کی کتابیں کراچی میں حسبِ ذیل دُکانوں سے خریدی جا سکتی ہیں۔ (۱) مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ (۲) کراچی بُک ڈپو اردو بازار (۳) اسٹینڈرڈ پبلشنگ ہاؤس، فاطمہ جناح روڈ (۴) ورلڈ پبلشرز، آرٹس کاؤنسل (۵) اقبال بک ڈپو، سمرسٹ اسٹریٹ، صدر (۶) طاہر بک ڈپو پریڈی اسٹریٹ، صدر۔

□ اس سے اچھا رسالہ میں نے آج تک نہیں پڑھا۔ کرکٹ کے آسمان کے دو ستارے میں وسیم اکرم کے بارے میں ساجد صاحب نے لکھا ہے کہ اپنے کیریئر کے پہلے ٹیسٹ میں دو وکٹیں لینے والے کو مین آف دی میچ ملا۔ حال آنکہ یہ دس وکٹ ہونا چاہیے جو وسیم اکرم نے لی تھیں۔ ضیاء محمد عاطف، سعودی عرب

□ نونہال کے ساتھ ہمارے محسن بزرگوں کی تصویروں کے کارڈ بھی دیے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے ان تصویروں کے پیچھے ان کی زندگی کے مختصر حالات بھی شائع کیے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہمیں ان بزرگوں کے بارے میں بہت سی معلومات ملی ہیں۔
عمران اعظم، کراچی

□ تمام تحریریں لاجواب تھیں۔ جناب حکیم محمد سعید کے جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ جناب حکیم محمد سعید کو اللہ تعالیٰ بڑی عمر عطا کرے۔

کوثر نصیب، ارم نصیب، حمیرہ سرور، کراچی

□ میرا مقصد یہ ہے کہ اس رسالے کو پہلے کی طرح نکھرا ہوا دیکھوں۔ اب اس کا پھیکا پن دیکھا نہیں جاتا۔ سرورق تو بہت اچھا ہوتا ہے مگر اندر سے اب مزہ نہیں آتا۔ مارچ کے شمارے میں ایک بار پھر دو ترجمہ شدہ کہانیاں شامل ہیں۔ باقی رسالہ ٹھیک ٹھاک تھا۔ اپریل کا شمارہ سال کا سب سے اچھا اور مکمل شمارہ تھا۔ میں سمجھا کہ بس اب یہ سالہ روپ بدل گیا۔ یہ خیال مئی کے سرورق دیکھنے اور اس کے ساتھ ملنے والے بارہ کارڈوں کو دیکھ کر قائم رہا۔ کارڈ تو اتنے خوب صورت تھے کہ فوراً میں نے ایک اسپیشل البم بنا کر اس میں کارڈ محفوظ کر دیے۔ مگر رسالہ پھر پہلے کی طرح بے جان نظر آیا۔ نونہال میں مستقل سلسلے اس قدر ہیں کہ اور کسی رسالے میں اتنے سلسلے نہیں۔ نونہال میں کُل پندرہ سلسلے ہیں۔ ان کے علاوہ ایک یا دو مضمون کھیلوں پر ہوتے ہیں۔ دو تین مضامین سائنسی بھی ہوتے ہیں۔ لیکن بچے کہانیاں زیادہ پسند کرتے ہیں۔ خیر آپ جتنی بھی کہانیاں شائع کریں اُن کا معیار برقرار رکھیں۔ تین چار سال پہلے صرف تین یا چار مگر اتنی اچھی اور معیاری کہانیاں ہوتی تھیں کہ میں اب بھی مزے لے لے کر انھیں پڑھتا ہوں۔ آج کل پانچ چھے کہانیاں شائع ہوتی ہیں مگر بہت بکواس۔ عدنان حسن، کراچی

□ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور ہم سب بچے ایک ہیں کے علاوہ خانقاہ کا بھوت (علی اسد) بے حد پسند آئیں۔ امید ہے کہ آپ اس سال بھی گزشتہ سال کی طرح خاص نمبر شائع کریں گے۔ پرنس محمد ابراہیم منصور، روہڑی

ان شاء اللہ ستمبر میں شان دار خاص نمبر شائع ہوگا۔

□ خاص طور پر خانقاہ کا بھوت، جاگو جگاؤ، گھوڑے کا تعارف، پہچان اور لطیفے بہت اچھے تھے۔ نونہال ادیب میں عمر دراز خان خٹک، ٹنڈو محمد خان نے مضمون 'مولانا محمد اسماعیل میرٹھی' نہم جماعت پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی اردو کی کتاب سے نقل کیا ہے۔

عامر مقبول خان، کراچی

عمر دراز خان، کیا یہ الزام صحیح ہے۔

□ وسیم اکرم اور رمیز راجا کا انٹرویو (ساجد علی ساجد) بھی بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ حسبِ معمول نصیحت آمیز تھا۔ لطیفے سارے نقل شدہ تھے۔ فوزیہ عزیز الرحمٰن، کراچی

□ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید نے بہت اچھی باتیں لکھی تھیں۔ صفحہ نمبر ۹۹ پر عبدالرحمٰن نے ایک نظم "اداس ہونے والے" ایک بچوں کی نظم کی کتاب سے نقل کر کے بھیجی ہے۔

خالد کریم بلیدی، مکران

عبدالرحمٰن میاں، ہمیں تو یقین نہیں آرہا ہے کہ تم نے نقل کی ہوگی۔

□ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہمدرد نونہال میں قلمی دوستی کا ایک صفحہ شائع کیا جائے۔ ریاض احمد فاروقی، کراچی

□ مجھے ہمدرد نونہال سے بہت دل چسپی ہے اور اسے شوق سے پڑھتا ہوں اور میں ہر ماہ چھے نونہال خریدتا ہوں۔ پانچ اپنے دوستوں کو دیتا ہوں۔ محمد اختر شاہین، کراچی

واہ وا، شاہین میاں، تم بڑا نیک کام کر رہے ہو۔

□ سرورق اتنا خوب صورت تھا کہ نظریں ہٹانے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ کہانیاں سب اچھی تھیں۔ محمد ادریس قمر، کراچی

□ میرے گھر نونہال اُس وقت سے آتا ہے جب میری باجی چھوٹی تھیں۔ وہ اب بھی اتنے ہی شوق سے اسے پڑھتی ہیں۔ نونہال ہمیشہ خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتا ہے۔ عمران اسماعیل کی کہانی "زندگی کی چاشنی" اخبارِ جنگ سے نقل شدہ ہے۔

خالد رشید، کراچی

□ حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ اچھا۔ تحفے بھی اچھے تھے۔ ساری کہانیاں ہی بہت عمدہ اور پڑھنے کے لائق تھیں۔ لطیفے پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ عاطف حنیف، حیدر آباد

□ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح عمدہ تھا۔ میں پانی کی ایک بوند ہوں (محمد اعزاز الدین) خانقاہ کا بھوت (علی اسد) شاہی جاسوس اور پہچان بہت پسند آیا۔

محمد ارشد ملک، ٹنڈو الہ یار

□ سرورق بہت خراب تھا۔ سرورق پر قائدِ اعظم جیسے عظیم رہنما کی استعمال کیا کریں۔ جب نونہال پڑھا تو دل کو بہت راحت ہوئی۔ حافظ محمد حنیف سدا مسن الآکانہ

□ اس ماہ مجھے گھوڑی کا انڈا، شاہی جاسوس بہت پسند آئی۔
اسماء فاطمہ، عزیز آباد

□ مئی کے شمارے کی جان تو جاگو جگاؤ تھا
بشریٰ حفظ حیات، کراچی

□ کہانیاں سب اچھی تھیں۔ میرزا ادیب کا ڈراما "ہم سب بچے ایک ہیں" سب سے زیادہ پسند آیا۔
ثمینہ اقبال، کراچی

□ اس ماہ کا شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔
اعجاز احمد راشد، ڈیرہ اسماعیل خاں

□ بارہ تصویریں بے حد پسند آئیں۔ ہنسو ہنساؤ میں نئے لطیفے بھی تھے۔ اگر ہم تصویر فوٹو اسٹیٹ کرا کر بھیجیں تو شائع ہو سکتی ہے۔
عتیق الرحمن، اورنگی ٹاؤن

نہیں بھئی، فوٹو اسٹیٹ سے چھپائی صحیح نہیں ہوگی۔

□ خاص طور پر جناب علی اسد کا خانقاہ کا بھوت، جناب سعا کی شاہی جاسوس اور جناب میاں عبدالرشید کی پہچان اچھی کاوشیں تھیں۔ جناب سمیع الوری کی نظم "ہر دم آگے بڑھتے جاؤ" بہترین نظم تھی۔ اس کے برعکس جناب طالب حسین طالب کو محنت کرنی چاہیے۔ کیوں کہ ایسی نظمیں ہم پہلے بھی کتنی بار پڑھ چکے ہیں۔ ایک ہی جیسی نظمیں بار بار پڑھ کر لطف نہیں آتا۔
خواجہ انوار احمد، خواجہ انجم ضیا، جہلمی، بھیرہ

□ آپ نے ہمیں ہمارے قومی ہیروز کی تصویریں اور ان کے بارے میں معلومات پہنچا کر بہت بڑا کام کیا ہے۔ اشتیاق احمد، کراچی

□ جناب حکیم محمد سعید میری پسندیدہ شخصیت ہیں۔ ان سے ملاقات کی بے پناہ آرزو ہے۔ جتنی محبت جناب حکیم محمد سعید اور جنرل محمد ضیاء الحق کو پاکستان سے ہے۔ اگر اتنی ہی محبت پاکستان کے تمام باشندوں کو ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ پاکستان ترقی کی راہوں پر گامزن نہ ہو۔ میں نے کچھ دنوں پہلے جناب حکیم محمد سعید کی کتاب نشری تقریروں کا مجموعہ "نورستان" خریدی۔ یہ ایک بہت ہی اچھی اور جامع کتاب ہے۔
نادرہ مجید، کراچی

□ کرکٹ کے آسمان کے دو نئے ستارے (جناب ساجد علی ساجد) صفحہ نمبر ۳۱، پیراگراف نمبر ۳ کی تیسری لائن میں لکھتے ہیں: "انھوں نے بیس میچ کھیلے اور چالیس اعشاریہ چالیس رنز کے وسط ......"
حالانکہ ایسا لکھنا چاہیے تھا۔ چالیس اعشاریہ چار تین، کیوں کہ اعشاریہ کے بعد ہندسے ملا کر نہیں پڑھے جاتے۔ اسی مضمون میں وسیم اکرم کے بارے میں ابتدائی دو سطور کچھ واضح معلوم نہیں ہوتیں۔ معلوم نہیں ساجد صاحب کیا کہنا چاہتے تھے۔
محمد جاوید اقبال ناز، فیصل آباد

□ ہمارے محسنوں کی تصویریں اور کچھ تعارف دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ رسالے میں پہیلیاں اور قلمی دوستی کے کالم بھی رکھیے۔
نیل امبر دھنانی، حیدر آباد

□ سرورق بے حد خوب صورت تھا۔ رسالے کے ساتھ تصاویر معلوماتی تھیں۔ قسط وار کہانی چاہتی ہو جیسی 'خطرناک جنگل' یا 'نیل کے بچے' کے قسم کی ہو۔
محمد اسماعیل عبدالعزیز، کراچی

بہت سے نونہالوں کے نام جگہ کی کمی کے باعث شائع نہیں کیے جا سکے۔ چند کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ شاہانہ تحسین، محمد وقار، الطاف احمد خان، جلال الدین انجم، طفیل احمد، محمد فاروق، کاشف انوار، شکیل یوسف، شازیہ مجید، الامہ منزہ، نازیہ ثمرین، محمد علی بلوچ، ساجد اللہ، زہرہ ہمیس، نویرہ احمرین، محمد سعید الزمان، اعجاز اسماعیل، محمد سعید، فرین افتخار، ردبینہ عالم روبی، عالیہ رحمن، اسماء عارفی، اسماء رانی بدر، ریحانہ عثمان، فائق محمود، اسماء مجید شیخ، عبید یوسف، ندیم یوسف، حیدر رضا، فوزیہ تحسین،

فیصل آباد: نعیم خان لودھی، ثاقب مجید۔ حیدر آباد:۔ شارق حنیف خان، اطہر حسین ہاشمی، ایم سعید شاہین، ایس عقیل احمد، فرحت حسین۔
نواب شاہ:۔ خانزادہ حمید سمیع۔ رحجھڑو:۔ محمد شبیر۔ گھوٹکی: کلیم احمد کھوکھر۔
ڈیرہ اسماعیل خان: شکیلہ سلیمانی۔ صادق آباد: عنصر حمید۔ کمالیہ: ساجد کمالی۔
میانوالی: مسعود احمد خاں۔ بھریال: سعید الرحمن۔ میاں چنوں: جیکسن جوزف۔
چکوال: گوہر جہانگیر۔ بہاول نگر: راشد اشرف۔ مقام نامعلوم: محمد علی رحمانی۔

معلومات عامہ ۲۲۹ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جا رہا ہے معلومات عامہ کے جوابات میں حصہ لینے والوں میں دل چسپی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے کہ جن کی عمر اچھی ہو گئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاء اللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام ہے۔ معلومات عامہ ۲۲۹ کے صحیح جوابات یہ ہیں:۔

۱۔ سب سے پہلے قرآن پاک کی کتابت شروع کرنے والے صحابی حضرت خالد بن سعیدؓ تھے۔
۲۔ پاکستان میں زمرد کی کانیں صوبہ سرحد کے ضلع سوات میں ہیں۔
۳۔ مختصر نویسی، یعنی شارٹ ہینڈ کے موجد پٹ مین تھے۔
۴۔ پاکستان کے سب سے چھوٹے شہر کا نام جہلم ہے۔
۵۔ روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔
۶۔ دنیا کے پہلے خلا باز شخص کا نام یوری گگارین تھا۔
۷۔ اقوام متحدہ کا صدر دفتر نیویارک (لیک سکسیس) میں واقع ہے۔
۸۔ پاکستان بننے کے بعد صوبۂ سندھ کے پہلے گورنر کا نام شیخ غلام حسین ہدایت اللہ تھا۔
۹۔ پاکستان کے کھلاڑی ہاشم خان کی اعلا کارکردگی کے اعتراف میں صوبہ سرحد کے ایک ریلوے اسٹیشن کو ان کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔
۱۰۔ "کوہ قاف" آذربائیجان (روس) میں ہے۔
۱۱۔ دنیا میں سب سے زیادہ آنکھوں کے عطیات سری لنکا میں دیے جاتے ہیں۔
۱۲۔ جناب فیض احمد فیض کے کلام کے کئی مجموعے ہیں۔ جس کتاب میں ان کا تمام کلام جمع کر دیا گیا ہے اُس کا نام "سارے سخن ہمارے" ہے۔

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد ذاکر احمد دہرہ
آفتاب احمد خان
وحیدہ وقار
عظمیٰ فاطمہ حسین کفایت اللہ
اسماء فاطمہ حسین کفایت اللہ
سید محمد احسن
محمد یونس
رفعت پروین
شاہدہ منظر
کوثر منظر
جاوید احسن
راشد احسن
حامد احسن
خالدہ منظر
سید محمد عمر
سید محمد عثمان
انجم احمد
کاشف ناز
رضوان عاشقین
سید قاسم رضا
اسد اللہ جعفری
مشتاق رحمت اللہ
محمد فاروق کمال الدین
چن زیب
شہلا جبیں
فرزانہ عزیز الرحمن
حمیرہ گوہر

حیدر آباد

عظمیٰ سیمیں
لبنیٰ شبریں

سانگھڑ

غلام رسول پارس
محمد امین سیف الملوک

نواب شاہ

شبیر حسن رجب علی
محسن علی
محسن رجب علی

خیر پور

سید کمال ناصر ترمذی

خیر پور میرس

عمر عادل خان پٹھان

فیصل آباد

محمد جاوید اقبال ناز
محمد صدیق صابری، سوڈی گوجرہ

گیارہ صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

طارق اشرف آرائیں، نواب شاہ

محمد انیس الرحمن، کراچی

فہیم نبی خان، کراچی

صابر اختر، کراچی

غلام مرتضیٰ غوری، ملتان

تنویر شعیب، کراچی

حفیظ الرحمن خانزادہ، حیدر آباد

عمران اختر، کراچی

عبداللہ جان، کراچی

ذیشان عالم، کراچی

فیصل مظہر علی، کراچی

محمد عارف اقبال انصاری، کراچی

سید محمد احمد قادری، کراچی

عمران منشاء اللہ، کراچی

مسعود سرور گوندل، ملتان

پرنس ملک سرفراز احمد، ملتان

عدنان جہانگیر شیخ، لاہور

عاصمہ انور صدیقی، راولپنڈی

محمد عاطف، کراچی

رضوان علی، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

عبدالقادر قاسم
فوزیہ رحمٰن
عالیہ ناز
رخسانہ فضل الدین
نادرہ مجید
مصطفیٰ معز
فرحت عباس
غفور الرحمٰن
سمیرا نوتین
اورنگ زیب علی پاشا
سید امتیاز حسین
نازیہ رمضان
شازیہ فاروقی
احمد نعمان فاضلی
آفتاب رضا
سید حسین رضوی
سید نہال اظہر علی کرمانی
آصف رفیع مسلم
سید اعزاز شکیل کرمانی
قاضی محمد الیاس
سلمیٰ خاص خیلی
شہناز فاطمہ نقوی
سلمیٰ الطاف حسین
انجم پروین
عظمیٰ محمد سعید
نجمہ عبدالمجید
عالیہ بانو
شہراز علی
مزمل امیر علی
محمد ہاشم منصوری
ثمینہ بدر
روبینہ خاتون
نیلوفر انجم
تحسین سعید خان
محمد اسد حسن
محمد نعیم حسن
نازیہ رحمٰن
رومانہ فاروقی
رعنا فاروقی
شہیلا فاروقی
محمد جاوید نقوی
عامر الدین

سانگھڑ

عامر خاص خیلی
لطیف حیدر خاص خیلی
شاکر علی منصوری
ریاض الدین منصوری
طلحہ خاص خیلی
فرید احمد قریشی
رشید احمد قریشی
جانی ناصر علی قریشی

سکھر

راحیلہ طلعت انصاری
تسنیم ناز انصاری

شکارپور

فیاض احمد قریشی

ٹنڈو جام

سلمیٰ شاکر
وقار عظیم، کراچی

گوادر

محمد شریف آفاق

خیرپور میرس

توقیر محمد

ساہیوال

محمد طارق عزیز

رانی پور

محسن علی

ضلع خوشاب

رضیہ بانو
عالیہ محبوب، کراچی
ثمینہ محبوب، کراچی
محمد شاہد پرویز، کراچی
حبیب اللہ بلوچ، سکھر
عمران رشید، کراچی

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر

فرقان احمد خان، کراچی

نعمان احمد صدیقی، کراچی

افتخار احمد قریشی، کراچی

کامران رشید، کراچی

ریحان جمیل، کراچی

سید کاظم رضا جعفری، کراچی

سید ثاقب رضا جعفری، کراچی | سید یوسف رضا جعفری، کراچی | محمد صادق پرنس، کراچی | عامر ظہیر حسن، کراچی | جرار الحسن بلوچ، کراچی | محمد عاصم، کراچی

محمد عارف، کراچی | محمد افضل، کراچی | آصف علی شیخ، پنو عاقل | رعنا سعید، کراچی | محمد علی کاشف، کراچی | محمد طارق شہاب، کراچی

سلیم انور عباسی، کراچی | ارم عنبرین، کراچی | سید ابرار احمد قادری، کراچی | فخر الدین، کراچی | عظیم الدین، کراچی | معین الدین، کراچی

محمد عرفان پاشا، کراچی | محمد احسان، کراچی | محمد خالد شہاب، کراچی | ارسلان اسمٰعیل، کراچی | محمد عثمان اقبال جعفری، کراچی | شہریار افغانی شیرزادہ، کراچی

نقیب احمد وزیر، کراچی | نعیم الرحمٰن، کراچی | پرنس ریاض، کراچی | محمد سعید، کراچی | نذر محمد، کراچی | شاہد اختر، کراچی

راشد اختر، کراچی | کامران پاشا، کراچی | عائشہ عنبرین، کراچی | عبدالغفار، کراچی | عمران احمد انصاری، کراچی | چوہدری محمد یاسین، کراچی

پرنس فیاض، کراچی | عقیل محمد، کراچی | عین الرحمٰن، کراچی | محمد عامر، کراچی | محمد یاسین، کراچی | محمد عابد، کراچی

محمد جاوید، کراچی | محمد یوسف راجپوت، کراچی | محمد ایاز، کراچی | محمد ندیم، کراچی | جواد نسیم، کراچی | پرنس اشرف، کراچی

پرنس فہیم الرحمٰن، کراچی | محمد ارشد، کراچی | ایم اشرف، کراچی | محمد عابد، کراچی | چوہدری محمد اشرف، کراچی | محمد ارشد شہاب، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

صائمہ فاروقی
مقصود عالم
شہناز شیخ
جاوید احمد
محمد فراز منور
محمد ذیشان ایوب
محمد اظہر ایوب
محمد سہیل ایوب
محمد اشرف ایوب
محمد ظفر ایوب
محمد حیدر ایوب

ملک مسرور احمد
نور محمد خان
محمد محبوب الرحمٰن
حنا انجم
محمد ناصر قاسم
رضوانہ اقبال
نعیم طاہر قریشی
ممتاز احمد
اسد اقبال
شجاع احمد قریشی
محمد امین عبدالستار کوکس واڈیا
عمر حیات قریشی

محمد علی امیر علی
انوار الحسن انصاری
حمیدہ رحمٰن خان آفریدی
عبدالرزاق ندیم
طلعت ناز
شہلا شعیب ملک
ازہر محمود عالم عثمانی
ارم خلیل
عارف مجید
محمد امین
سلیم احمد ابدالی
ممتاز فاطمہ

ممتاز احمد
ذیشان مجید خان
سہیل احمد قریشی
شبانہ سمیع
محمد شعیب خان

حیدر آباد

علی رضا
غلام مرتضیٰ
سید محمد جمیل
سیدہ نور فاطمہ

ٹنڈو آدم

ارشد الرحمٰن عمرانی

راجا محمد حسین راجپوت
ناصر احمد
راجا محمد یونس راجپوت
منیرہ انجم انصاری
امتیاز احمد
عارف حسین ہاشمی

سرہاری

خانزادہ پرویز اختر
خانزادہ محمد ادریس
خانزادہ عابد حسین عمری
ریحانہ ناز
ایم ایل جونا

ٹنڈو جام

محمد خان
صدیق خان
نجمہ رحمٰن
عبدالرحمٰن قریشی
ضمیر النساء

محمد ارشد آزاد

لاڑکانہ

انیس فاطمہ جعفری
محمد امین سومرو

اٹک

ملک اسلم خان

عادل

بھکر

تہلیل اختر جان
مقبول احمد تنویر

ٹنڈو الہ یار

خانزادہ محمد شاہد

مورو

وسیم احمد میمن

کنڈیارو

مغل محمد سرور

فیصل آباد

نیاز محمد خان نیازی

راول پنڈی

تقویم احسن مسعود مغل

شاہ پور چاکر

محمد ایاز کلسی
عائشہ رحمٰن، کراچی
اسماء اوصاف، سکھر

ریحانہ فہیم لودھی، کراچی — راحت لودھی، کراچی — سیدہ نصرت فاطمہ، کراچی — فوزیہ رانا، کراچی — آصف رانا، کراچی

برکت علی، کراچی — محتشم مسعود عرفان، خیرپور میرس — محمد رؤف، ملتان — سیف الرحمٰن کلسی، شاہ پور چاکر — میر نور النبی جان سرہندی، سانگھڑ

ہمدرد نونہال کے اس شمارے کے ساتھ آپ کو ایک چھوٹی سی مگر اچھی سی کتاب بھی ملے گی یہ کتاب پڑھ کر آپ اپنی رائے لکھیے۔

بہترین اور معیاری کتابیں

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس کی شائع کردہ بچّوں کی اور بڑوں کی کتابیں جو دل چسپ بھی ہیں اور سستی بھی
ہمدرد فاؤنڈیشن ناظم آباد نمبر ۳ کے علاوہ مندرجہ ذیل دُکانوں سے بھی مل سکتی ہیں۔

- مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم۔ اے جناح روڈ، کراچی
- کراچی بک ڈپو، اردو بازار، کراچی
- ورلڈ پبلشرز، آرٹس کاؤنسل بلڈنگ، کراچی
- اسٹینڈرڈ بک ڈپو، پبلشنگ ہاؤس، فاطمہ جناح روڈ، کراچی
- اقبال بک ڈپو، سمرسٹ اسٹریٹ، صدر کراچی
- طاہر بک ڈپو، پریڈی اسٹریٹ، صدر کراچی

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

ہمدرد ڈاک خانہ — ناظم آباد — کراچی ۱۸

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔ انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال و وظائف کی تکمیل اور خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں، پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔

روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور کردیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔

لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابلِ اعتماد غذائی معاون ہے۔

لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

Adarts LM-1/81

جولائی ۱۹۸۵ء

ہمدرد نونہال

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳

رُوح افزا مشروبِ مشرق

ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

آوازِ اخلاق
بدزبانی ذہن کا سرطان ہے

Adarts/84